

صبح صادق اور کاذب

کے متعلق چند اکابر کے اختلاف کی حقیقت

اور

جمہور کا عمل؟

مولانا شوکت علی قاسمی

نام کتاب : صحیح صادق اور کاذب
کے متعلق چند اکابر کے اختلاف کی حقیقت
اور جمہور کا عمل؟

مصنف : مولانا شوکت علی قاسمی

کمپوزنگ : ذیشان علی

صفحات : 80

تاریخ اشاعت : شوال، ۱۴۳۲ھ

ناشر : ادارہ فرقان صوابی

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

﴿ آئینہ کتاب ﴾

صفحہ نمبر	عنوانات
05	پیش لفظ
12	اجمالی جائزہ:
13	تفصیلی وضاحت
14	پرانے نقشوں پر اکثریت کا تعامل؟
17	ازالہ شبہ
18	محض عملی اتفاق کا اعتبار نہیں
21	امکانِ خطاء
26	کیا واقعی 18 درجے والے نقشے کو قبولیت عامہ حاصل ہے؟
26	نقشے کی بجائے مشاہدے پر اعتماد
27	فنی باریکیوں سے عدم واقفیت
30	محض علمی اختلاف کو کافی سمجھنا
33	18 درجے والی تحقیق کس کی؟

صفحہ نمبر	عنوانات
37	ایک دلچسپ.....
44	اشکال: (کیا ٹڈو آدم کے مشاہدات سلسلہ تحقیق کی ایک کڑی تھی؟).....
51	اختلاف کس چیز میں ہے؟.....
53	حقیقت کیا ہے؟.....
55	دونوں میں فرق:.....
56	اظہار حق اور اکابر کا احترام.....
57	خلاصہ کلام.....
59	مفتی رضوان کی طرف سے جوابی کارروائی اور اس کا جائزہ.....
66	حضرت مولانا روحانی بازیؒ.....
70	کشف الغطاء کے مؤلف کی خدمت میں گزارش.....
70	حیرت کی انتہاء.....
73	سرتھام کر پڑھیں.....
77	کیا اکابرؒ نے 15 درجے کا فیصلہ نہیں کیا تھا؟.....

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)..... یہ تحریر دراصل مستقل رسالہ نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ راقم کے ایک تبصرے (جوابی کتاب) کا ایک حصہ ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے راولپنڈی میں ”ادارہ غفران“ سے مفتی رضوان صاحب نے صبح صادق اور کاذب کے حوالے سے ایک کتاب شائع کی، جس کی ایک کاپی ہمارے پاس تبصرے کے لئے بھیج دی گئی۔ اس کتاب کے ایک حصے میں صبح صادق کے حوالے سے اکابر (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اور حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہما اللہ) حضرات کے اختلاف کا تذکرہ کر کے یہ تاثر دیا گیا تھا کہ 15 درجے پر صبح صادق ایک انفرادی رائے اور محض ایک ناقابل عمل قول ہے جبکہ 18 درجے والا قول صرف ایک قول نہیں بلکہ حضرات اکابر کی جانب سے تحقیقی مراحل سے گزرا ایک متفق علیہ اور واجب الاتباع تحقیق ہے۔ جس کی رو سے 18 درجے کے وقت پر صبح کی نماز جائز اور روزوں میں سحری کھانا بند ہو جاتا ہے۔

(۲)..... کتاب مذکور میں حضرت مصنف نے اکابر کے اختلاف کے حوالے سے جو کلام کیا تھا اس میں نہ صرف یہ کہ بہت سارے حقائق کو نظر انداز کیا گیا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حضرات اکابر کے رجوع کو ایک خود ساختہ رنگ میں پیش کیا گیا تھا۔ گویا کہ

اصل واقعے پر دو طرح کے وار کر کے تاریخی حقیقت کو بالکل بدل ڈالی، ہم نے کتاب مذکور پر مکمل تبصرہ کر کے ”کشف الغشاء عن اوقات الفجر والعشاء“ کے نام سے کتاب شائع کی۔ اسی تبصرے میں دیگر مقامات کی طرح اکابر کے اختلاف پر بھی کافی کلام کیا گیا ہے (۳)..... راقم کے پاس صبح صادق اور کاذب کی تحقیق میں تقریباً 6 سال مطالعے اور سینکڑوں علماء سے بالمشافہ ملاقات و مذاکرات کے سروے سے جو نتیجہ سامنے آیا وہ یہ ہے کہ 18 درجے والوں کی اکثریت نہیں بلکہ سب کے سب محض اس وجہ سے اس قول کو حق سمجھ رہے ہیں کہ اکابر حضرات نے 18 درجے کو اختیار فرمایا ہے۔ اب ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنہیں آگے نہیں پتہ کہ ان بزرگوں نے 18 درجے پر صبح صادق کیسے تسلیم کیا ہے؟ اور اس وقت صورت حال کیا بن گئی تھی؟ صبح صادق کے حوالے سے تحقیقاتی کام کس طرح شروع ہوا؟ کن کن مراحل میں یہ کام کس کس کی نگرانی میں کہاں کہاں سے گزرتا رہا؟ اور اسی تحقیقی سلسلے میں خارجی امور نے کس حد تک مداخلت کی ہے؟

(۴)..... اسی طرح آج بھی 18 والوں میں سے ہمارے ان ساتھیوں کی اکثریت ایسی ہے جنہیں مذکورہ بالا نکات کے علاوہ اتنا نہیں معلوم کہ یہ مسئلہ شرعی ہے یا فنی؟ اور خارجی اور فنی عوامل کی مداخلت کا دائرہ اثر کتنا ہونا چاہئے؟ اس حوالے سے کن لوگوں کی باتیں حجت کی حیثیت رکھتی ہیں اور کن کی نہیں رکھتی؟ اوقات نماز (بالخصوص صبح و عشاء) کے حوالے سے ماضی میں اہل علم اور عام مسلمانوں کا عمل کیا رہا ہے؟ آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس میں کتنے فیصد اہل علم اسی فلسفے کو صحیح طرح سمجھے ہوئے ہیں؟ اس

حقیقت کا کھوج لگا کر (سنی سنائی باتوں پر نہیں بلکہ) حقائق پر مشتمل سروے کن لوگوں نے کیا ہے؟ اور اس سے کس قسم کے نتائج کتنے فیصد سامنے آئے ہیں؟ یہ اور اس قسم کے متعدد نکات ہیں جنہیں سمجھنا ان لوگوں کے فرائض میں شامل ہیں جو اکابر کی طرف سے 18 درجے کا دفاع کر کے تحریک میں پیش پیش ہیں، ورنہ محض اکابر کی تائید کا علم رکھتے ہوئے ایک شخص خود تو اس پر عمل کر سکتا ہے مگر دوسروں کو 18 درجے کے واجب الاتباع ہونے کی ترغیب دینے اور 15 درجے کی مخالفت کا ایسے لوگوں کو کوئی حق حاصل نہیں۔

(۵)..... نماز فرض ہے اور اسے صحیح وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے۔ اور اس حقیقت سے 18 درجے والے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ 15 درجے پر نماز فجر پڑھنا بالکل صحیح وقت میں پڑھنا کہلاتا ہے۔ اسی طرح انہیں یہ بھی پتہ ہے کہ 15 درجے سے پہلے ان کے نزدیک پڑھنا صحیح وقت میں پڑھنا کہلاتا ہے مگر 15 والوں کے نزدیک اس وقت نماز نہیں ہوتی۔ اب دیکھا جائے تو 15 کے بعد سب کے نزدیک نماز پڑھنا جائز ہوا جبکہ 18 کے بعد اور 15 سے پہلے صرف ان کے نزدیک جائز ہوا اور باقی کے نزدیک ناجائز ہوا۔ اب خدا خونی کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان لوگوں کی مخالفت ترک کر دی جائے جو یہ کہتے ہیں کہ نماز اس وقت پڑھو جس وقت یقینی طور پر وقت داخل ہو، اور وہ معلوم ہوا کہ 15 کے بعد ہے۔ کیونکہ اس (15 درجے کے) وقت میں نماز فجر پڑھنے کے جواز سے یہ لوگ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ محض اکابر کے نام پر 18 درجے کی تحریک چلا کر کوئی اسلامی طریقہ نہیں۔ اور نہ یہ عوام المسلمین کے اعتماد پر پورے اترنے کا مثبت مظاہرہ ہے، اور نہ اس کا تعلق نماز کی حفاظت کے ساتھ ہے بلکہ یہ محض اپنے نظریے کی جنگ

کہلائے گی۔ جس میں عوام کو بے شک حقائق کے حوالے سے اندھیرے میں رکھی جائے، تو کوئی بات نہیں مگر اپنا نظریہ لوگوں میں پھیل جائے تو یہ کامیابی ہے۔

(۶)..... اکابر کے نام پر صوبائی کے چند علماء و فضلاء نے اکٹھا ہو کر ایک مشترکہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم 18 درجے پر ہی عمل کریں گے۔ اور اسی اجتماعی پروگرام کی حیثیت اپنے زعم میں مضبوط بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔ مگر علم کے باوجود شائدان کے خیال میں یہ بات نہ ہو کہ اصول تحقیق کے حوالے سے کوئی بھی دعویٰ اس وقت مضبوط سمجھا جاتا ہے جب اس کے دلائل قوی ہوں، ورنہ عدالتوں میں سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا کہ کوئی کیس اکثریت کے خلاف تو نہیں دائر ہو یا مدعی کی تعداد مدعا علیہ سے کم تو نہیں؟ بلکہ ہوتا اس طرح بھی ہے کہ بعض اوقات فرد واحد پوری قوم یا ادارے کے خلاف کیس کرتا ہے اور وہ جیت جاتا ہے۔ تو ہمارے ان مہربانوں نے اس طرف آج تک التفات نہیں فرمایا کہ 15 درجے کی تحقیق کو کم از کم ایک دفعہ اتمام حجت کے طور پر پڑھ لے، حالانکہ مسئلے کی نوعیت کو دیکھا جائے تو ان کا فرض یہ بنتا تھا کہ اس حوالے سے بالخصوص 15 درجے کی تحقیق کا مطالعہ کر کے دونوں اقوال کو دلائل کی روشنی میں پرکھتے۔ مگر ان حضرات نے مطالعہ کرنے اور حقیقت کو تلاش کرنے کی بجائے چند علماء اور فضلاء کو اکٹھا کر کے 18 درجے صبح صادق پر اتفاق رائے لینا شروع کر دیا گویا کہ ان کے نزدیک اس مسئلے کا تعلق کسی حکم شرعی کے ساتھ نہیں بلکہ انتظامی امور کے ساتھ ہے۔

(۷)..... جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ ان دوستوں کی اکثریت اس بات سے متاثر ہے کہ اکابر حضرات 18 درجے کے قائل تھے۔ اور اکابر بزرگوں نے اس حوالے سے

کسی کی محض تائید نہیں فرمائی، بلکہ خود پوری تحقیق کر کے اس مسئلے کا ہر پہلو سے جائزہ لیا ہے۔ تب جا کر انہوں نے 18 درجے پر صبح صادق کا اعلان فرمایا ہے۔ اور اس تحقیق میں وہ حضرات کسی سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ ان کے سامنے اس مسئلے کا شرعی اور فنی دونوں رخ واضح طور پر موجود تھے، تب انہوں نے 15 درجے کی بجائے 18 درجے پر صبح صادق کا فتویٰ جاری فرمایا۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ ہم نے ضرورت محسوس کی کہ ان حضرات کے سامنے ان حقائق کو پیش کیا جائے جو اکابر کے اختلاف پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

(۸)..... زیر نظر رسالہ درحقیقت اس تبصرے کا ایک حصہ ہے جو مفتی رضوان صاحب کی کتاب ”صبح صادق اور کاذب“ کے جواب ”کشف الغشاء“ کے نام سے لکھا گیا ہے۔ چونکہ ہمارے دوستوں اور مفتی صاحب کے مغالطے اور اشکالات کی نوعیت ایک ہے، لہذا اس موضوع پر مستقل طور پر الگ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ اس تبصرے سے ہمارے کرم فرماؤں کے اشکالات بھی ان شاء اللہ رفع ہو جائیں گے۔

(۹)..... اگلے صفحات میں جہاں ”مصنف“ کا لفظ آتا ہے اس سے مراد ”محترم مولانا مفتی محمد رضوان صاحب“ ہیں۔ اور جہاں پر مصنف کی کتاب کا تذکرہ آتا ہے اس سے مراد مفتی صاحب کی وہ تالیف ہے جو ”صبح صادق و کاذب“ کے نام سے ”ادارہ غفران“ نے شائع کی ہے۔ اور جہاں ”کتاب کے صفحات“ وغیرہ کا حوالہ آتا ہے، اس سے مراد مذکورہ بالا کتاب کے صفحات ہیں۔

چند اکابر رحمہم اللہ کا اختلاف

.....صفحہ نمبر ۱۶۸ تا صفحہ نمبر ۱۷۷.....

ان صفحات میں محترم مصنف چند اکابر رحمہم اللہ کے اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

” مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب و حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمہما اللہ و دیگر چند اکابر حضرات کو ایک مرتبہ صبح صادق سے متعلق رائج قدیمی جنزیوں کے متعلق (جو ۱۸ درجے کے مطابق تھیں) کچھ تردد و تذبذب پیدا ہو گیا تھا، مگر بعد میں تحقیق و تفتیش کے بعد ان حضرات کا یہ تردد و تذبذب ختم ہو گیا، لیکن حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کی آخر تک تحقیق یہ رہی کہ صبح صادق اور عشاء کا وقت پندرہ درجہ زیر افق ہوتا ہے۔ اس قضیہ کی پوری حقیقت معلوم نہ ہونے سے بعض حضرات مختلف شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس لئے اس تردد اور رجوع کی حقیقت پر خود ان حضرات اکابر کی تحریرات سے قدرے روشنی ڈالی جاتی ہے..... (صفحہ نمبر ۱۶۸)۔“

اس کے بعد اکابر کی وہی عبارات نقل فرمائی ہیں جو کہ احسن الفتاویٰ میں تحریر ہیں۔ واقعی

ان تحریرات میں رجوع کا اقرار اور پرانے نقشوں کی تصدیق موجود ہے۔
 محترم مصنف مفتی محمد شفیعؒ کی عبارت کے بعد فائدہ کے تحت لکھتے ہیں کہ اکابر
 حضرات جب پاکستان میں آگئے تو پرانے نقشوں کے طلوع وغروب جانچنے کے بعد باقی
 اوقات پر بھی اعتماد کر چکے۔ آگے لکھتے ہیں:

”اور درمیان میں بعض اہل علم حضرات کی طرف سے جدید و قدیم
 اہل فن کے کچھ اقوال پیش کر کے ان اہل علم کی اپنی نئی تحقیق کی روشنی
 میں یہ باور کرایا گیا کہ اس قدیم جنتری میں جو صبح صادق کا وقت دیا
 گیا ہے وہ درحقیقت صبح کا ذب کا وقت ہے جس کے بعد اس احتمال
 کی بنیاد پر ممکن ہے کہ نئے اہل فن نے صبح کا ذب و صادق میں فرق
 نہ کیا ہو اور کا ذب ہی کو صبح صادق کہہ دیا ہو، حضرت مفتی صاحبؒ
 کو صبح صادق کے معاملے میں تردد ہو گیا اور اس دوران احتیاطاً
 سحری کا کھانا قدیم جنتری کے مطابق بند کرنے اور فجر کی نماز پندرہ
 بیس منٹ بعد پڑھنے کو اختیار فرمایا۔ لیکن جب حضرتؒ نے بعض اہل
 فن حضرات کے ساتھ بحث و تمحیص کے اور جدید فلکیات کی بعض
 کتابوں کی طرف مراجعت فرمائی تو اس تحقیق و تمحیص کے نتیجے میں
 آپ کا وہ تردد رفع ہو گیا اور محقق طے ہو گیا کہ جدید ماہرین فلکیات
 نے خود صبح کا ذب کو صادق سے الگ کر کے بیان کیا ہے، اور وہ
 درحقیقت رات کا حصہ ہے، اور اس کے بعد جو صبح صادق ہوتی ہے،

اس کو انہوں نے صبح کہا ہے“..... (صبح صادق وکاذب، ص: ۱۷۰)

احقر (راقم) عرض کرتا ہے کہ عبارت بالا کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱)..... اکابر حضرات ابتداء سے قدیمی نقشے کو درست سمجھتے تھے۔

(۲)..... بعض اہل علم نے علم کی اپنی نئی تحقیق کی روشنی میں یہ باور کرایا، کہ اس قدیم

جنتری میں جو صبح صادق کا وقت دیا گیا ہے ودر حقیقت صبح کاذب کا وقت ہے۔

(۳)..... یہی باور انہی قدیم جنتریوں کی صحت میں وجہ شک و تردید بنا۔

(۴)..... پھر اسی شک و تردید کی بنا پر احتیاطاً ۱۵ درجے کے مطابق فتویٰ جاری کیا گیا۔

====

(۵)..... جو کہ بعد میں ان بزرگوں نے ۱۸ درجے کی تحقیق کر کے اس تردد کو ختم کر دیا۔

(۶)..... آخر بحث میں اس پر علماء کرام کی تائیدی رائے اور دستخط نقل کئے ہیں، اور بتایا

کہ اس تحقیق کو جمہور اہل علم کی تائید حاصل ہو کر یہ ایک تواتر کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔

(۷)..... حضرت مفتی رشید احمد صاحب کی تحقیق ۱۵ درجے رہی۔

اجمالی جائزہ

اگر مذکورہ بالا نکات ہم نے درست نکالے ہیں تو اس کا اجمالی جائزہ یہ ہے:

نمبر ۱ مسلم ہے، مگر یہ مصنف کے حق میں مفید نہیں۔

نمبر ۲، ۳ اور ۴ خلاف واقعہ ہیں، بلکہ کسی حد تک الزام بھی ہے۔

اور افسوس کہ نمبر ۴ کے بعد نمبر ۵ تک بہت ساری تحقیقی کارروائی کے تذکرے سے

اپنے قارئین کو محروم کر دیا گیا ہے، جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

۴الف: اس تردد کو ختم کرنے کے لئے مشاہدات کا سلسلہ چلایا، تحقیقی مجالس منعقد کئے

علماء کرام کے درمیان بحث و تمحیص کا سلسلہ چلا۔

۴ب: بالآخر نتیجہ ایک اجتماعی اجلاس میں منفقہ طور پر پرانے نقشوں میں صبح کا وقت

کاذب کا جبکہ ۵ ادرجے کو صحیح صبح صادق قرار دے دیا۔

۴ج: اس کے بعد حضرات اکابر کی طرف سے عمومی طور پر پرانے نقشوں کے اوقات

فجر کو صحیح کاذب قرار دے کر باقاعدہ فتوے شائع ہوتے رہے۔

۴ح: اس ۵ ادرجے والے نقشے سے پھر رجوع فرمایا۔

یہ وہ حقائق ہیں جنہیں مرحلہ نمبر ۴ کے بعد ذکر کرنا ضروری تھا مگر مصنف نے انہیں حذف

کر کے قارئین کی نظروں سے اوجھل رکھا۔ ہم ان شاء اللہ قارئین کے سامنے ایک ایک

کر کے انہیں بیان کریں گے۔ مگر پہلے عبارت بالا کا خلاصہ مکمل ہونے دیں، چنانچہ:

نمبر ۵ میں کلام ہے کہ اس مرحلے میں واقعی بزرگوں نے تحقیق کی تھی کہ نہیں؟

نمبر ۶ میں اکابر کی تحریرات اور اس کے ساتھ دیگر حضرات علماء کی تائید کی کیا حیثیت ہے؟

تفصیلی وضاحت

ان صفحات میں محترم مصنف نے جتنی عبارات، علماء کرام کی نقل فرمائی ہیں سب

نمبر ۵ کے بعد کی ہیں۔ جب ۴الف، ۴ب، ۴ج، اور ۴ح کی حقیقت سامنے آئیگی تو

نمبر ۵ اور اس کی تائید میں باقی سارے اقوال وغیرہ سب کے سب مرجوح قرار پائیں

گے۔ ہمارے بیان میں ان شاء اللہ الرحمن مذکورہ بالا نکات سارے حل ہونگے، مگر

ترتیب کا لحاظ شانہ ہو سکے۔

پرانے نقشوں پر اکثریت کا تعامل؟

کہتے ہیں کہ پرانے نقشوں پر اکثریت کا تعامل چلا آرہا ہے۔ لہذا ہمیں 15 کی تحقیق قبول کرنے میں بڑا مانع ”پرانے نقشوں پر اکثریت کا تعامل“ ہے۔ واقعی یہ تعامل ظاہری طور پر ایک بہت بڑی دلیل محسوس ہوتا ہے اور اسی شبہ نے اس فقیر کو بھی ابتداء میں متاثر کیا تھا۔ مگر جب ایک بات حقیقت ہوتی ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد سے کسی نہ کسی طریقہ سے طالبانِ حق پر اس کی حقیقت کھل جاتی ہے، ہاں یہ صورت (عوام کیلئے تو نہیں البتہ) خواص کیلئے ایک آزمائش کا مرحلہ ضرور بن جاتی ہے۔ لہذا اہل علم حضرات کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ گزارش ہے، کہ محض سنی سنائی یا بلا تحقیق کسی بات پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو آزمائش میں ناکام نہ بنا دیں۔ بلکہ اپنی علمی اور منصبی ذمہ داری کو مد نظر رکھتے ہوئے شرعی اصولوں پر اسی بات کو پرکھنا چاہئے۔ اب آئیے مذکورہ بالا تعامل کا علمی جائزہ لیتے ہیں:

(1) اہل علم کا کثیر تعداد میں اتفاق واقعی تسلی اور صحت کا سامان بن کر کسی مسئلہ کی صحت پر دلالت کرتا ہے، مگر اس صورت میں ایک نہایت اہم شرط کا لحاظ ضروری ہوتا ہے:

وہ یہ کہ اہل علم حضرات کی یہ کثیر تعداد بذات خود اسی مسئلہ کو زیر بحث لا کر اس پر نفیاً یا اثباتاً تحقیق کر چکے ہوں۔ اب اگر کسی تحقیق میں یہ شرط تو نہ پائی جائے بلکہ اکابر بزرگوں (۱)

(۱) جیسا کہ پرانے نقشے کی تحقیق کو شیخ الحدیث حضرت العلامة محمد یوسفؒ بنوری اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

کی مسلمہ شخصیت ہونے کی وجہ سے ملک کے اندر بڑے بڑے علمی حلقوں نے اس کو بعینہ قبول کر لیا (۱) تو ایسی صورت حال میں بزرگوں (کی تائید کی وجہ سے تحقیق ان) کی طرف منسوب ہو کر ایک بات شہرت اختیار تو کر لیتی ہے مگر محض حسن عقیدت اور اتباع اکابر کے علاوہ کسی محقق عالم کی تحقیق اس پر موجود نہیں ہوتی۔ لہذا اس کا لحاظ کرتے ہوئے ملک کے اکثر علماء حضرات کا اس کو قبول کرنا بالکل عام ہو جاتا ہے۔ اب بظاہر تو یہ تعداد علماء کی نظر آ رہی ہے، مگر حقیقت میں اسکو علمی اور تحقیقی قوت ایک مستند عالم کی بھی حاصل نہیں ہوتی۔

(۲) دوسری طرف اس کے برعکس ایک عالم ربانی (۲) نے نہایت قوی اور ٹھوس شہادتوں سے مبرہن کر کے ایک تحقیق پیش کی ہو اور علی الاعلان اس کو چیلنج کے طور پر شائع کر چکے ہوں۔ اور یہ شخصیت بھی اصلاح باطن، علمیت اور مسائل فقہیہ میں ملک کے گوشے گوشے میں اپنا لوہا منوا چکی ہو۔ البتہ اکابر کی حیثیت رکھتے ہوئے اول الذکر بزرگ حضرات کے احترام کا درجہ مؤخر الذکر حضرت کی بنسبت زیادہ ہو۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے زیر بحث موضوع اور متعلقہ فن میں مؤخر الذکر حضرت ایک محقق اور

(۱) یہاں پر یہ نہ سمجھا جائے کہ راقم اکابر علماء حضرات کی اتباع کی مخالفت کر رہا ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اکابر کا اتباع کرتے ہوئے ان کی تحقیق کا کم از کم مطالعہ تو کرنا چاہئے۔ تاکہ یہ ان بزرگوں کی تحقیق ہو تو سہی! ایسا نہ ہو کہ ”ان بزرگوں کی تحقیق“ کے نام پر کوئی بات ویسے شہرت پا چکی ہو۔

(۲) جیسا کہ نئے نقشے کے اثبات میں فقید العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد گودھیانوی کی تحقیق

نہایت ماہر فن کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہوں۔ جو شخصیت علمی اور فنی مہارت میں ایسے مقام پر فائز ہو، تو دیانت و انصاف کے میدان میں، محض اکابر بزرگوں میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے، ان کی مفصل اور مدلل تحقیق کو آنکھیں بند کر کے رد کرنا قطعاً علمی روایات کے خلاف ہوگا۔

﴿3﴾ قارئین حضرات ”پہلی تحقیق“ کی حیثیت کو ملاحظہ فرمائیں اور اس کے مقابلے میں ”مؤخر الذکر تحقیق“ کا وزن کیجئے گا بظاہر تو پہلے والی شخصیت کے ماننے والوں کی تعداد بہت زیادہ جبکہ دوسری کی کم ہے۔ مگر علمی اور تحقیقی غور و فکر جتنا دوسرے والے کی موقف کو حاصل ہے، وہ پہلے والے سے کئی درجہ قوی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ علماء کی مطلق اکثریت ایک تحقیق طلب مسئلہ میں کافی نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ اکثریت کی جو حمایت پہلے عالم کی بات کو حاصل ہے اس کی بناء خارجی عوامل پر ہے جس کو آپ حسن ظن اور عقیدت کہہ سکتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ حسن ظن اور حسن عقیدت تحقیق اور غور فکر کا حصہ نہیں ہیں۔ لہذا جہاں پر ایک مسئلہ کے متعلق محققانہ فیصلہ کی بات آجائے تو وہاں پر ”اکثریت“ اگر ملحوظ رکھی بھی جائے تو اس میں ایسے حضرات علماء کا اعتبار کیا جائے گا جنہوں نے تحقیق کرتے ہوئے کسی ایک جانب رائے قائم کی ہو۔

﴿4﴾ مذکورہ بالا ساری تفصیل تو تب ہے جبکہ پہلی تحقیق کی نسبت اکابر بزرگوں کی طرف صحیح مان لی جائے لیکن اگر پہلی والی تحقیق اکابر میں سے کسی بزرگ سے ثابت ہی نہ ہو، بلکہ ایک فن فلکیات کے جاننے والے کی مرتب شدہ ہو اور اس صاحب کے تمام حوالجات مسلم اور غیر مسلم ماہرین پر مشتمل ہو جن کو اگرچہ متعلقہ فن میں مہارت حاصل ہو

لیکن فنی مہارت تو اس وقت کوئی شے ہی نہیں، جب تک اس کے نتائج کو شریعت کے اصولوں پر پیش کر کے ان کے موافق ثابت نہ کی جائیں۔ اور ظاہر ہے کہ جدید مسائل کو اصول شریعت پر پرکھنا کسی بھی غیر مسلم ماہر فلکیات یا اس مسلم ماہر فن کا کام نہیں ہے جس کو اصول شریعت پر مکمل دسترس حاصل نہ ہو۔ اب اگر اس پہلے والی تحقیق سے ان بزرگوں کی تائید تھوڑی دیر کیلئے منقطع فرض کیا جائے تو اب بتا دیجئے گا کہ مؤخر الذکر، عالم دین اور فقیہ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر فن بھی ہے، کے مقابلے میں پہلے والی تحقیق (جو محض ماہرین فن کی آراء پر مشتمل ہو) کی کوئی حیثیت باقی رہ سکتی ہے؟

ازالہ شبہ:

اب قارئین حضرات کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ اگر 18 درجے والی تحقیق اتنی کمزور تحقیق تھی تو پھر اس کو بزرگوں کی تائید کیونکر حاصل ہوگئی؟ اس کا تفصیلی جواب ان شاء اللہ آگے آرہا ہے یہاں اتنا سمجھ لیجئے گا کہ جب بقول پروفیسر عبداللطیف صاحب (۱) ان حضرات کو فن کا علم حاصل نہیں تھا تو خطا کا امکان زیادہ متوقع ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ ان بزرگوں نے ماہر فن پر اعتماد کر کے اس کی تائید کی ہو۔ اور اس قسم کی صورت حال میں اگر خطا واقع ہو جائے تو اس سے کسی

(۱) راقم کو ایک خط میں تحریر فرمایا ہے: ”بات دراصل یہ ہے کہ ان گیارہ علماء کرام کی جماعت کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ 15 درجہ اور 18 درجے کا کیا چکر ہے؟ یہ حضرات ان فنی باتوں سے بھی قطعی ناوا

بزرگ کی عظمتِ شان میں کمی نہیں آتی (اس کی وضاحت آگے آرہی ہے)۔ پس جب اکابر حضرات خود اس (18 درجے والی تحقیق) کے محقق نہ ہوئے تو محض تائید کو اتنی قوت حاصل نہیں ہو سکتی جس کی بدولت ایک محقق عالم دین فقیہ العصر اور ماہر فن کی ایک محققانہ اور دلائل سے بھرپور تحقیق کو آنکھیں بند کر کے رد کر دی جائے۔ بلکہ ہم پر لازم ہو گا کہ بزرگوں کا احترام سر آنکھوں پر کرتے ہوئے ان حضرات کی طرف منسوب (تائیدی) تحقیق کا علمی اور تحقیقی جائزہ لیں۔ اب ہم آتے ہیں اس تحقیق کی طرف جس پر (بظاہر) جمہور یا علماء کی اکثریت کا اتفاق نظر آرہا ہے۔

محض عملی اتفاق کا اعتبار نہیں:

18 درجے کی تحقیق دراصل ماہرین فن خصوصاً پروفیسر عبد اللطیف صاحب (کراچی) کی ہے۔ اور اکابر میں سے جن حضرات نے 18 درجے والے نقشے کی تائید فرمائی ہے ان میں حضرت مولانا یوسف بنوری اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ پورے علاقہ کیا بلکہ پورے ملک میں جن علما کے ہاں یہ نقشہ رائج ہے، یا اس کی تصدیق کی ہے، کسی نے بھی آج تک علمی تحقیق اور عینی مشاہدات نہیں کئے اور نہ مذکورہ بالا تحقیق کا تنقیدی جائزہ لیا ہے (۱) حتیٰ کہ خود دارالعلوم کراچی سے استفتاء کا جو جواب ہمیں ملا ہے اس میں بھی اس قسم کی باتوں کی کوئی صراحت نہیں ہے (۲) اسی طرح جن علماء کرام سے ہم نے اسی حوالے سے ملاقات کی ہے ان سب

(۱) شاید کوئی ہو مگر ہمارے علم میں نہیں ہے۔ (۲) فتوے کی عبارت ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔

نے یہی جواب دیا ہے کہ ان اکابر کی مخالفت کیسے کی جائے؟ اس جواب کے علاوہ کسی کی زبان سے احقر نے کم از کم یہ بات نہیں سنی کہ ہمیں دلائل میں غور و فکر اور عینی مشاہدات کے بعد ۱۸ درجے پر صبح صادق کا شرح صدر ہو گیا ہے، ذیل میں چند حوالے لقم بند کئے جا رہے ہیں

(1)..... راقم الحروف نے دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مسند افتاء کے تمام مفتیان کرام سے خصوصی ملاقات کی ہے جب ان حضرات نے قدیم نقشے کی صحت کا جواب ارشاد فرمایا۔ تو بندہ کے دوبارہ استفسار پر صرف یہ جواب ملا کہ اگرچہ ہم نے بذات خود تو کوئی مشاہدہ نہیں کیا ہے لیکن اکابر میں سے ان بزرگوں نے اسی کی تصویب فرمائی ہے۔ (۱)

(2)..... پنجاب کے بعض علماء حضرات سے (جن میں بعض حضرات راقم کے اساتذہ بھی تھے) ملاقات پر بھی یہ جواب ملا کہ ہم نے کوئی مشاہدہ نہیں کیا ہے۔

(3)..... ہمارے اپنے علاقے میں تین مدارس سے پہلے والا نقشہ باقاعدہ گی سے

(۱) بعد میں تفصیلی ریکارڈ مفتی مختار اللہ صاحب نے جب ملاحظہ فرمایا تو 18 درجے کو غلط اور 15 درجے کو درست قرار دیتے ہوئے باقاعدہ فتویٰ دیدیا۔ جس کی عبارت یہ ہے:..... بندہ ناچیز کے ذہن میں ان نقشہ اوقات کے بارے میں کچھ اشکالات پائے جاتے ہیں، لیکن کم فرصتی کی وجہ سے اس طرف کوئی خاص توجہ دینے کا موقع نہیں ملا اب جب آپ نے ان دونوں نقشوں کے حوالہ سے تحقیق کر کے وہ تمام خطوط و روابط اور مختلف کتب کے حوالجات ارسال کئے تو یہ اس بات کا باعث بن گیا کہ ان نقشوں کے بارے میں کچھ فیصلہ کن رائے قائم کی جائے۔ لہذا بندہ نے اپنے بساط کے

شائع ہوتا رہا۔ ان کے ذمہ دار حضرات یہ ہیں:-

☆ مولانا مفتی ارشاد احمد حقانی صاحب، گاؤں مرغز، صوابی

☆ مولانا عبدالسلام صاحب مہتمم جامعہ سلمان فارسیؑ، گاؤں ٹوپی، صوابی

☆ مولانا مفتی خالد صاحب، گاؤں باجا، صوابی

یہ حضرات اپنے اپنے حلقوں میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ان میں سے خط و کتابت کے ذریعے سے بھی اور بعض حضرات سے ملاقات میں یہی جواب ملا ہے کہ ہم نے نہ مشاہدہ کیا ہے اور نہ کسی قسم کی تحقیق ضروری سمجھی ہے۔

(4)..... ان کے علاوہ بے شمار ایسے فضلاء حضرات سے اس بارے میں گفتگو کی جو

فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ ساتھ مسند افتاء کے بھی دعوے دار تھے مگر کسی نے ماسواء

اس کے، کہ ہم اکابر کا اتباع کر رہے ہیں، کوئی جواب نہیں ارشاد فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ

مطابق غور و تجسس کرتے ہوئے دونوں نقشوں کے اوقات ملاحظہ کئے جس کے نتیجے میں وہ نقشہ جس

میں صبح صادق کے اوقات ۱۵ درجے زیر افق کی بنیاد پر مندرج ہیں، بالکل درست معلوم ہوتا

ہے۔ اس کے علاوہ فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مولانا (مفتی) محمد فرید صاحب دامت برکاتہم کے

فتاویٰ فرید یہ جلد دوم میں آپ کے ذاتی مشاہدات اور تجربے کی بنیاد پر صبح صادق کے حوالے سے جو

فتویٰ تحریر ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۵ درجے والا نقشہ درست ہے، تحریر فرماتے ہیں: ریاضی کے

اصول کے مطابق یہ وقت پندرہ درجہ یعنی ۱۵ * ۴ = ۶۰ منٹ بنتا ہے مگر غروب شمس کے بعد مکرر

مشاہدہ سے سوا گھنٹہ ثابت ہے اور صبح صادق کا وقت بھی اسی مقدار سے زائد نہیں (فتاویٰ فرید یہ ج ۲،

مفتی مختار اللہ حقانی، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک بتاریخ: ۲۴/۴/۲۰۰۷ء

(ص ۱۵۳)

تلاش حق اور احترام اکابر کے درمیان بتاؤں کوئی نہیں کہ آپس میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی ایک مثال ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔

(5)..... علاوہ ازیں پرانے نقشے پر عمل اور اس کے اہتمام کو دیکھا جائے تو منصوص سے کم سمجھا نہیں جاتا۔

قارئین کرام! اس تحقیقاتی سروے کا لب لباب یہ ہے کہ پرانے نقشے پر اگرچہ اکثر علماء کا عمل نظر آ رہا ہے مگر اس میں وہ شرط نہیں جو اسکی قوت کیلئے ضروری ہے۔ یعنی کسی عالم نے اس کا تحقیقی یا تنقیدی جائزہ لے کر ساتھ نہیں دیا ہے بلکہ بزرگوں پر حسن ظن یا عقیدت کی بنیاد پر اس کا ساتھ دیا جا رہا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ محض عملی اتفاق قطعاً معتبر نہیں۔

امکانِ خطاء:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ علماء کا کسی مسئلے پر فقط عمل اسی کی صحت کی دلیل نہیں بن سکتا اور نہ یہ مطلقاً حقانیت کی دلیل ہے بلکہ خطاء کا امکان اس قسم کے مسائل میں ہر وقت پایا جاتا ہے، یہاں اس حوالے سے بھی ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

شرح عقود رسمی المفتی میں علامہ عمر ابن العابدین (المعروف بعلامہ شامی) فتویٰ کے اصول و ضوابط ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جب کسی مسئلے کے بارے میں اصل حوالہ (یعنی دلیل) نہ ملے تو بغیر تحقیق کے کسی بڑے سے بڑے بزرگ اور مفتی کے قول پر بھی فتویٰ دینا جائز نہیں۔ اور وجہ اسکی یہ بتلائی کہ بعض اوقات بلکہ اکثر اسی طرح ہو جاتا ہے کہ اوپر سے نقل کرتے کرتے بغیر تحقیق بالکل غلط

اور خلافِ مذہب فتویٰ چلا آ رہا ہوتا ہے۔

قلت : وقد يتفق نقل قول في نحو عشرين كتاب من كتب المتأخرين ، ويكون القول خطأ خطأ به اول واضح له ، فيأتي من بعده وينقله عنه وهكذا ينقل بعضهم عن بعض..... (شرح عقود رسم المفتي ص ۲۸، ۲۹)

ترجمہ: میں (علامہ شامیؒ) کہتا ہوں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ متاخرین کی کتابوں میں بیس کتابوں تک ایک بات نقل ہوتی چلی جاتی ہے حالانکہ اس مسئلہ کو پہلے بیان کرنے والے شخص سے غلطی ہوئی ہوتی ہے مگر بعد کے لوگ اس پر اعتماد کر کے نقل کرتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ شامیؒ نے متعدد مثالیں دی ہیں ہم یہاں طوالت کے خوف سے صرف چند ایک کے اردو ترجمہ پر اکتفا کر رہے ہیں۔

﴿1﴾ محض تلاوت قرآن کے لیے کسی کو اجرت پر لینا درست ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں نقل درنقل بہت سارے متقدمین کی دہراتی ہوئی غلطی کے بارے میں رقمطراز ہیں :

” اور ان مسائل میں ایک مسئلہ محض تلاوت قرآن پاک پر اجرت لینا ہے۔ قدوری کی شرح السراج الوہاج اور الجوہرۃ النیرۃ میں ہے کہ: مفتی بہ قول یہ ہے کہ (تلاوت قرآن کیلئے) اجرت پر (کسی کو) لینا درست ہے۔ حالانکہ وہ الٹا سمجھ گئے ہیں

اصل مسئلہ یہ ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ تعلیم قرآن کے لیے کسی کو اجرت پر لینا درست ہے، محض تلاوت پر اجرت درست نہیں ہے۔ پھر بعد میں جو لوگ آئے انہوں نے اس (شارح قدوری، حدادی) کی پیروی کی اور انکی بات نقل کرتے چلے گئے۔ حالانکہ وہ صریح غلطی تھی بلکہ بہت سے حضرات نے تو یہ کہہ دیا کہ: فتویٰ اس پر ہے کہ تمام عبادتوں پر اجرت درست ہے اور یہ سب حضرات مسئلہ عموم اور اطلاق کیساتھ تحریر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ متاخرین کا مذہب ہے۔ اور بعض لوگ اس پر حج کیلئے بھی اجارہ درست قرار دیتے ہیں (حالانکہ) یہ سب باتیں غلط ہیں اور پہلی غلطی سے بھی زیادہ سنگین ہیں“..... (شرح عقود رسم المفتی ص ۲۹)

قارئین آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ صاحب السراج الوہاب جو فقہاء احناف کے زبردست فقیہ گزرے ہیں ابو بکر بن علی الحداد، الزبیدی المتوفی ۸۰۰ھ ہجری ہیں۔ اور انکے بعد جتنے اکابر چار ساڑھے چار سو سال میں گزریں ہیں کسی کو اس کا ادراک نہ ہو سکا لہذا اسی کو اکثر علماء اپنی کتابوں میں بلا تحقیق نقل کر کے ایک شرعی مسئلہ سمجھتے رہیں، یہاں تک کہ علامہ شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ نے آکر اس حقیقت کی نشاندہی فرمادی۔

﴿2﴾.... ان میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کی شان عالی میں گستاخی کرنے والے کی توبہ مقبول ہے یا نہیں؟ فتاویٰ بزازیہ میں منقول

ہے کہ ہمارے نزدیک اسکا قتل واجب ہے، تو بہ مقبول نہیں ہے، اگر چہ وہ اسلام قبول کر لے صاحب بزاز یہ نے یہ بات قاضی عیاض مالکی کی الشفاء اور ابن تیمیہ حنبلی کی الصارم المسلمول کی طرف منسوب کی ہے پھر بعد کے اکثر فقہاء نے اسکی پیروی کی ہے، یہاں تک کہ خاتم المحققین علامہ ابن الہمام اور الدرر والغرر کے مصنف نے بھی یہی بات لکھئے حالانکہ شفاء اور صارم میں جو بات ہے کہ وہ یہ ہے کہ یہ شوافع اور حنابلہ کا مذہب ہے اور امام مالکؒ کے دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے اور ہمارا مذہب قطعیت کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ اسکی تو بہ مقبول ہے۔ اور یہی بات قدماء احناف کی کتابوں میں مذکور ہے جیسے امام یوسفؒ کی کتاب الخراج امام طحاوی کی مختصر کی شرح اور سعدی کی النصف الحسان وغیرہ فقہ حنفی کی کتابیں۔ (۱)

علامہ شامیؒ ایک موقع پر اپنا ایک واقع تحریر فرماتے ہیں:

﴿3﴾... میں (علامہ شامیؒ) نے ایک بار وقف کے ایک مسئلہ میں عام کتابوں کے مطابق فتویٰ دیا اس مسئلہ میں عمدة المتأخرین علامہ نسکفیؒ پر معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے۔ انہوں نے درمختار میں اس مسئلہ کو خلاف صواب ذکر فرمایا ہے۔ میرا وہ فتویٰ ملک کے بعض مفتیوں کے ہاتھ لگ گیا۔ انہوں نے اس کی پشت پر میرے فتوے کے خلاف اور درمختار کے مطابق فتویٰ لکھا اور بعض نے تو یہ بھی لکھا کہ ”علانیٰ

(درمختار) میں جس طرح مسئلہ ہے وہی معمول بہا ہے، کیونکہ وہ متاخرین معتمد علیہ ہیں، نیز یہ بھی لکھا کہ ”اور اگر تمہارے پاس اس کے خلاف دلیل ہے تو ہم اس کو قبول نہیں کریں گے“ دیکھا آپ نے، جہل عظیم! اور احکام شرعیہ میں تہور و دلیری! اور کتابوں کی طرف مراجعت کیے بغیر اور علم کے بغیر فتویٰ نویسی پر اقدام! کاش ان صاحبوں نے علامہ ابراہیم حلبیؒ کا درمختار کا حاشیہ ہی دیکھ لیا ہوتا کیونکہ وہ آسانی دستیاب ہو سکتا تھا۔ حلبی نے اس موقع پر تشبیہ کی ہے کہ علانیٰ نے جو کچھ لکھا ہے وہ مسئلہ کی صحیح تعبیر نہیں ہے۔ (۲)

علامہ شامیؒ نے افتاء اور تحقیق کے طلباء کیلئے ایک مستقل اصول کے طور پر اس کو ذکر کے یہ سبق دلا دیا کہ جب تحقیق کی بات آتی ہے تو اس میں بڑے سے بڑے آدمی کی بات کو بھی اصل مآخذ کے ساتھ پرکھنا پڑیگا۔ ہمیں ان مثالوں پر خوب غور کر کے اکابر کے نقش قدم پر نظر رکھتے ہوئے اس حقیقت کی تہہ تک پہنچنا چاہئے کہ کسی مسئلہ کا محض عمومیت کیساتھ منقول ہونا اس کی صحت کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ اگر ایسے مسائل جو خالص شرعی ہونے کیساتھ ساتھ اس میں اصل مسلک بلا ابہام منقول بھی ہے، مگر اس کے باوجود عمومی نقل اصولی طور پر قابل اعتماد نہیں ہو سکتا۔ تو کیا کہنا آج کے نقشہ اوقات کے بارے میں جو خالصتاً سائنسدانوں اور ماہرین فن کی مرہون منت ہے۔

(۱) ترجمہ ”آپ فتویٰ کیسے دیں“ ص ۲۸ سے ماخوذ ہے۔

(۲) شرح عقود رسم المفتی ص ۳۸ تا ۳۹

کیا واقعی 18 درجے والے نقشے کو

قبولیت عامہ حاصل ہے؟

بفضلہ تعالیٰ ہم نے بحثِ مذکورہ میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ اکثر علماء کا ایک مسئلہ پر اتفاق کسی مسئلہ کی صحت کی دلیل بن سکتا ہے مگر وہ اس صورت میں ہے کہ ان حضرات کا عمل تحقیق کی بنیاد پر ہو محض سنی سنائی یا ویسے کسی بزرگ وغیرہ پر حسن ظن یا عقیدت کی بنیاد پر نہ ہو۔ مگر یہاں مذکورہ بالا جواب کے علاوہ ہماری طرف سے بھی ایک سوال سماعت فرمائیے:

وہ یہ کہ کیا واقعی ایسا ہی ہے کہ اس پرانے نقشہ کو حقیقت میں قبولیت عامہ

(تحقیق پر مبنی نہیں بظاہر ہی سہی) حاصل بھی ہے یا نہیں۔۔۔؟

ان حضرات کی طرف سے تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ ہاں اس کو واقعی قبول عامہ حاصل ہے۔ مگر ہماری تسلی کیلئے یہ جواب ناکافی ہے۔ البتہ ہماری طرف سے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سرے سے یہ بات ہی غلط ہے کہ اس کو قبولیت عامہ حاصل ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پر کسی مسجد میں پرانے نقشے کا آویزاں ہونا اس بات کی دلیل ہی نہیں کہ اس پر عمل بھی اسی طرح ہو رہا ہو، اسکی کئی وجوہات ہیں:-

﴿ 1 ﴾ نقشے کی بجائے مشاہدے پر اعتماد:

اکثر علماء خصوصاً فجر اور عشاء میں مشاہدہ کا اعتبار کرتے ہیں اور نقشے کے اوقات کا انکو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ ان لوگوں میں پرانے اور بزرگ حضرات شامل ہیں۔ گاؤں اور

دیہاتوں میں اکثریت ایسے حضرات کی ہیں کہ وہ نقشوں کو کوئی اسلامی چیز، خصوصاً اوقات نماز میں، سمجھتے ہی نہیں۔ ہمارے گاؤں (صوابی) میں تقریباً 80 مساجد ہیں، میں نے ایک مسجد بھی ایسی نہیں دیکھی جس میں عشاء کی اذان نقشے کے مطابق دی جاتی ہو باوجود یہ کہ مساجد میں پرانے نقشے آویزاں ہیں۔ اور یہی معاملہ آس پاس کے گاؤں کا بھی مشاہدہ کیا گیا ہے۔

﴿2﴾ فنی باریکیوں سے عدم واقفیت:

بعض حضرات مشاہدہ کر کے علی الاعلان پرانے نقشے کی مخالفت تو کرتے رہتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ وہ نقشہ ہی تبدیل کر کے نیا بنا دیں۔ کیونکہ ان کا اختلاف 18 اور 15 کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ پرانے نقشے کا محض مشاہدے کا عدم موافقت ہوتا ہے۔ چند بزرگوں کے واقعات عرض کر رہا ہوں:

(۱)..... ہمارے علاقے کے ایک معمر عالم (حضرت مولانا قاضی اشرف خان صاحبؒ) ہوا کرتے تھے جو علاقہ میں بطور قاضی دین کی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اور طالب علمی کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھے ہوئے تھے۔ لیکن پرانے نقشے کی مخالفت علی الاعلان کیا کرتے تھے۔ میرے ایک استاد محترم حضرت مولانا قاری مستر خان صاحب (فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ) قاضی صاحب مرحوم کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں اور استاد صاحب (قاضیؒ

(ساتھ بیٹھ کر سحری کھا رہے تھے کہ اتنے میں پرانے نقشے کے مطابق
اذا نیں شروع ہوگئی تو قاضی صاحب نے فرمایا سحری کھاتے جاؤ اس
کے بعد بھی 20 منٹ تک سحری کھائی جاسکتی ہے۔

(۲)..... ہمارے ایک رشتہ دار حضرت مولانا فضل وہاب صاحب
مدظلہم جو سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل کر چکے ہیں، تقویٰ و احتیاط
میں پورے علاقہ میں معروف و مشہور ہیں۔ راقم فقیر بذات خود کئی
دفعہ (اصلاحی تعلق کی بنا پر) حضرت صاحب کیساتھ باوجود دوسرے
محلے کے اعتکاف میں شریک ہوتا رہا۔ سحری اور صبح صادق کے تعیین کا
دار و مدار انکے نزدیک مشاہدے پر تھا۔ کیونکہ حضرت گاؤں کی
مغربی جانب دُور کھیتی باڑی کرتے ہوئے آب پاشی کیلئے اکثر
اوقات رات کے وقت جایا کرتے تھے۔ اسلئے ان کو مشاہدہ کا موقع
نہایت آسانی کیساتھ میسر آتا تھا۔ لہذا اکثر اوقات ایسا ہوا کہ
پرانے نقشے کی بنیاد پر اردگرد مساجد میں صبح کی اذا نیں ہو رہی تھی
اور ادھر اعتکاف والے ابھی سحری کھا رہے ہوتے تھے۔ فقیر کے
ایک سوال پر جواباً فرمایا کہ ہم نے کئی دفعہ صبح صادق کا مشاہدہ کافی تا
خیر سے طلوع ہوتے ہوئے کیا ہے

(۳) صوابی شہر کے مرکزی جامع مسجد صوابی اڈہ کے پیش امام
اور خطیب مولانا گل رحیم صاحب مدظلہم (جن کے میراث اور طلاق

وغیرہ کے فتوے سرکاری عدالتی فیصلوں میں پیش کئے جاتے ہیں) علی الاعلان (پرانے) نقشوں کی مخالفت کرتے ہیں اور اس مخالفت میں اتنے متشدد ہو گئے تھے کہ ایک ملاقات پر انہوں نے اوقات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فقیر کہا ”کہ بھئی میں تو نقشہ نہ پرانا مانتا ہوں اور نہ نیا۔ نیا نقشہ تو میں نے خیر دیکھا نہیں کہ اس کے اوقات کیا ہیں، مگر پرانا نقشہ جو عام مساجد میں مستعمل ہے فجر اور عشاء کے اوقات کے حوالے سے بالکل غلط ہے“ حال یہ کہ مولانا صاحب کی مسجد میں پرانا نقشہ لگا ہوا تھا۔

ان حوالوں کو نقل کرنے کا منشاء یہ ہے کہ دیکھو پرانے نقشے کیساتھ ان علماء کرام کے اختلاف کے باوجود، چونکہ کسی تحریری طور پر مخالفت منظر عام پر آئی نہیں تھی، لوگ یہی کہتے چلے آ رہے ہیں کہ پرانے نقشے کو ”قبولیت عامہ“ حاصل ہے۔ چونکہ یہ حضرات سیدھے سادھے کتاب کے مطابق مشاہدہ کے عادی تھے۔ اور ریاضاتی حسابات وغیرہ کا انکو علم تھا نہیں، جس کے ذریعے کسی دوسرے (نئے) نقشے کیلئے بندوبست کرتے۔ اسی طرح نہ انکو 15-18 درجے کے اختلاف کا کوئی پتہ تھا۔ معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر پرانے نقشے کی عمومیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر علماء اس کی غلطی سمجھ گئے تھے مگر انکو اس نقشے کی فنی باریکیوں یا اس میں فنی اختلاف کا پتہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس غلطی کو علمی بنیادوں پر ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔

﴿ 3 ﴾ محض علمی اختلاف کو کافی سمجھنا

تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کسی محقق عالم کا ذاتی تجربہ اور رائے بھی مخالف ہوتی ہے اور باقاعدہ علم ہدیت سے بھی واقف ہو کر 15-18 درجے کی فنی باریکیوں کو سمجھتا ہے اور فتویٰ بھی 15 درجے کی تائید اور اثبات میں دیتا ہے (اب ظاہر ہے کہ ایسے علماء کرام کا اپنا عمل بھی 18 درجے کے مخالف ہو کر 15 درجے والے نقشے کے مطابق ہوگا) لیکن ان سب حقائق کے باوجود دیکھنے میں یہ آیا ہے۔ کہ ایسے اہل علم حضرات کی طرف سے بھی ان حقائق پر مبنی کوئی نیا نقشہ شائع نہیں ہوا لہذا نئے نقشے کے عدم اشاعت سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ پرانے کو ”قبولیت عامہ“ نصیب ہوا ہے۔ ہم یہاں پر مشہور زمانہ مفتی اعظم فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم (سابق مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) کے فتاویٰ فریدیہ ج ۲/۲ سے چند فتوے نقل کر رہے ہیں:

(۱) ص ۱۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

”محکمہ موسمیات اور درجات کو بالائے طاق رکھیں ان کا اندازہ یہاں بھی مشاہدہ کے خلاف ہے“..... (فتاویٰ فریدیہ ج ۲، ص ۱۵۱)

(۲) ص ۱۵۳ پر لکھتے ہیں:

”ریاضی کے اصول پر یہ وقت پندرہ درجہ یعنی $۱۵ * ۴ = ۶۰$ منٹ ہے مگر غروب شمس کے بعد مکرر مشاہدہ سے سوا گھنٹہ ثابت ہے اور صبح صادق کا وقت بھی اسی مقدار سے زائد نہیں ہے ہمارے علاقہ میں

صبح صادق ذوالقعدہ (۱۴۰۲ھ) کے اوائل میں میں چارج کر

پچیس منٹ بعد نکلتی ہے“..... (ایضاً ج ۲، ص ۱۵۳)

ہم نے ہجری کیلینڈر کو شمسی میں تبدیل کرتے ہوئے جب مذکورہ بالا تاریخ کا موازنہ کیا تو 20 اگست 1982ء کو یکم ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ کی تاریخ بنتی ہے، ہم نے دیکھا تو الحمد للہ پچیس سال پہلے دیا ہوا فتویٰ آج ہمارے نقشے کی تائید کر رہا ہے قارئین (ضلع صوابی کیلئے) ہمارے مرتب کردہ نقشے میں دیکھ سکتے ہیں کہ 23 اگست کو صبح صادق کا وہی وقت درج ہے جو حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے بار بار مشاہدہ کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

”ہمارے علاقہ میں صبح صادق ذوالقعدہ (۱۴۰۲ھ) کے اوائل میں

(بمطابق 23 اگست کو) چارج کر پچیس منٹ بعد نکلتی ہے۔“ (ایضاً)

(۳) اور ص ۱۵۴ پر لکھتے ہیں:

”اصولی طور پر مفتی رشید احمد صاحب کا اندازہ درست ہے البتہ

ہمارے بلاد میں مشاہدہ کی بنا پر سوا گھنٹہ وقت بنتا ہے،‘

(۵ جولائی ۱۹۸۶ء)..... (ایضاً ص ۱۵۴)

اس میں تو مفتی صاحب نے بالکل صراحت کیساتھ مفتی رشید احمد صاحب کی تائید فرما دی۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے نائب مفتی مولانا مفتی محمد وہاب صاحب منگلوری جو فتاویٰ فریدیہ کے مرتب بھی ہیں، نے راقم کو ٹیلیفون پر بتایا کہ آپ کی طرف سے شائع کردہ دائمی نقشہ اوقات کا نیا نقشہ ہمارے پاس پہنچ گیا ہے۔ میں نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی مختلف کتب کی طرف مراجعت کے علاوہ ان سے بالمشافہ

استفسار بھی کیا لہذا ہماری رائے آپ کے ساتھ سو فیصد متفق ہے۔ مگر چند فنی باتیں ہیں جن کی وضاحت کیلئے آپ کے ساتھ بالمشافہ ملاقات ضروری ہے۔ مگر ہماری گونا گوں مصروفیات اس میں مانع ہیں لہذا اگر آپ ہمارے ہاں مدرسہ میں آجائیں تو مہربانی ہوگی فقیر ایک حکم پر خدمت میں حاضر ہوا۔

الحمد للہ ملاقات میں فنی امور کی وضاحت ہو گئی۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے جامعہ کی جانب سے 15 درجے کے مطابق نیا نقشہ مرتب کر کے اسکی ایک کاپی راقم کے پاس بھی ارسال فرمادی۔ اور مزے کی بات یہ کہ نقشے کے اوپر 18 اور 15 درجے کے بارے میں استفتاء تحریر کرتے ہوئے جواب میں نئے نقشے (یعنی 15 درجے کے نقشے) کے حق میں فتویٰ درج کر دیا اور اس پر باقاعدہ حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم نے اپنے ہاتھوں سے ”الجواب صحیح“ بھی تحریر فرمایا۔ دیکھو فتویٰ مذکورہ کے باوجود جو فتاویٰ فریدیہ میں 25 سال پہلے شائع ہوا ہے، محض نئے نقشے کے عدم اشاعت کی وجہ سے سارے لوگ یہی سمجھ بیٹھے ہوئے تھے کہ پرانے نقشے کو ”قبولیت عامہ“ حاصل ہے۔ پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ خود اسی دارالافتاء کے مدرسہ میں آج تک پرانا نقشہ آویزاں تھا، تو بات، عرض کرنے کی، یہ تھی کہ محض نئے نقشے کے عدم اشاعت سے لوگوں نے سمجھا ہوا ہے کہ پرانے نقشے کو قبول عام حاصل ہے۔

قارئین کرام آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ پرانے نقشے کی قبولیت عامہ کا جو چرچا ہے وہ صرف ظاہری ہے اور رواجی ہے۔ جبکہ تحقیقی سروے سے معلوم ہوا کہ اکثر اہل علم حضرات پرانے نقشوں کی صحت کی تردید ہر دور میں کر چکے ہیں مگر کئی ایسی وجوہات

ہیں جن کی بنا پر ان حضرات کی طرف کسی نقشے کی صورت میں یا مستقل کسی تحریر کی شکل میں وضاحت سامنے نہیں آئی۔

فائدہ: یہاں تک ابحاث سے مصنف کے ذکر کردہ نکات میں نمبر ۶ کا جواب ہو گیا کہ اس تحقیق پر جمہور اہل علم کا اتفاق اور عملی تواتر چلا آ رہا ہے، لہذا یہ اس کی صحت کی دلیل ہے حالانکہ ایسا ثابت نہ ہو سکا۔

18 درجے والی تحقیق کس کی؟

اس بحث میں ان شاء اللہ الرحمن نکتہ نمبر ۵ کا جائزہ لیں گے کہ محترم مصنف نے تحریر فرمایا ہے:

”..... لیکن جب حضرتؑ نے بعض اہل فن حضرات کے ساتھ بحث و تمحیص کے اور جدید فلکیات کی بعض کتابوں کی طرف مراجعت فرمائی تو اس تحقیق و تمحیص کے نتیجے میں آپ کا وہ تردد رفع ہو گیا.....
..... (ص ۱۷۰)

حقیقت یہ ہے کہ جن اکابر حضرات کی طرف پرانے نقشے کی تحقیق منسوب کی جا رہی ہے اور جن کا ہر عام و خاص سے ہم نام سنتے چلے آ رہے ہیں (1)۔ ان بزرگوں نے خود اپنی تحقیق بھی تو کوئی نہیں فرمائی اور نہ اس علم میں ان حضرات کو کوئی خاص مہارت حاصل تھی بلکہ حقیقت میں 18 درجے والی تحقیق جغرافیہ کے پروفیسر محترم جناب پروفیسر عبد

لطیف صاحب کی ہے۔ جس میں محکمہ موسمیات مسلم و غیر مسلم ماہرین فلکیات، اور گرین ویج کی رصدگاہوں وغیرہ کے غیر مسلم ماہرین کے حوالوں سے پرانے نقشے کو ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ پروفیسر عبداللطیف صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مگر علماء کرام و دیگر مخلص احباب کی دلی تمنا یہ تھی کہ کوئی اٹھے اور اس کی تحقیق کرے، مغالطہ کی نشان دہی کرے اور غلط فہمی کو دور کرے، اور حقیقت کو منظر عام پر لائے، ان مخلص اللہ والے لوگوں کی آرزوؤں اور دلی تمناؤں اور دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ اللہ رب العزت نے اس ناچیز کو اس خدمت کے لئے قبول فرما کر تحقیق و مشاہدات کی توفیق بخشی، جو کہ اس وقت اس رسالہ کی شکل میں آپ تک پہنچی ہے“..... (صبح صادق و صبح کاذب: صفحہ نمبر ۱۳)

آگے اظہار تشکر کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

”محدث العصر حضرت العلامة محمد یوسف صاحب بنوریؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بندہ کی اس کاوش سے شروع ہی سے اتفاق فرما کر ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی، اور وقتاً فوقتاً اپنے گراں قدر مشوروں اور ہدایات سے نوازا، اللہ رب العزت ان بزرگان دین کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے، آمین“..... (ایضاً ص: ۱۶)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

”اس کے علاوہ میں دارالعلوم کو رنگی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا عاشق الہی صاحب، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب، حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی، حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی، حضرت مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی، حضرت مولانا امیر احمد صاحب علوی اور حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ جنہوں نے میری اس کاوش میں ہر طرح سے تعاون فرمایا“..... (ایضاً ص ۱۶)

معلوم ہوا کہ اولین تحقیق جو ۱۸ درجے کے اثبات کے حوالے سے ہوئی ہے وہ بنیادی طور پر حضرات اکابر میں سے کسی ایک کی بھی نہیں بلکہ وہ محترم جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب کی ہے۔ جنہوں نے ساتھ ساتھ ان بزرگوں کو حمایت میں لیا ہوا تھا۔ پروفیسر صاحب راقم کو ایک خط میں بزرگوں سمیت ان 11 علماء کرام کی کمیٹی (۱) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”..... بات دراصل یہ ہے کہ ان گیارہ علماء کرام کی جمعیت کو اندازہ

(۱) جس میں مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مفتی محمد رشید احمد لدھیانویؒ اور مفتی محمد تقی عثمانیؒ و مفتی محمد رفیع عثمانیؒ مدظلہم وغیرہ شامل تھے، گیارہ علماء کرام کی اس کمیٹی نے جو مشاہدات کئے ان میں 18 درجے پر صبح کا زب جبکہ 15 درجے پر صبح صادق نظر آگئی تھی، ملاحظہ ہوا حسن الفتاویٰ جلد دوم

ہی نہیں تھا کہ یہ 15 درجہ اور 18 درجے کا کیا چکر ہے۔ یہ حضرات ان

فنی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے.....“ (۱)

ابھی تو اور صراحت کے ساتھ وضاحت سامنے آئی کہ جب یہ حضرات فنی علم ہی سے قطعی طور پر ناواقف تھے، تو اس صورت میں اس تحقیق کو بزرگوں کی تحقیق کہنا تو درکنار ان کی تائید بھی محل کلام ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہو گئی کہ قدیم نقوشوں کے اثبات میں ان بزرگوں نے اپنی تحقیق نہیں کی تھی بلکہ پروفیسر صاحب کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔ اس کے علاوہ دارالعلوم کراچی سے جب استفتاء کیا گیا تو جواب کے طور پر پر مندرجہ ذیل تحریر ارسال فرمادی گئی:

”حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے جو آخری مشاہدات کئے

تھے وہ ۱۸ درجے کے مطابق تھے، نیز اس موضوع پر پروفیسر عبد

اللطیف صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے ”صبح صادق و صبح کاذب“

اس میں انہوں نے قدیم اور جدید علماء کی آراء اور عمدہ تحقیق کی

ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ۱۸

درجے والے قول کو اختیار فرمایا۔“ (۲) (سید حسین احمد)

حضرت مفتی صاحب کے مشاہدات ہوئے ہیں یا نہیں؟ آخری مشاہدات میں بزرگوں

(۱) اصل خط بندہ کے پاس موجود ہے، راقم

(۲) دارالافتاء دارالعلوم کراچی {فتویٰ نمبر ۰۹/۸۵۵، مورخہ: ۲۵/۲/۱۴۲۷ھ}

نے بذات خود شرکت فرمائی تھی یا نہیں؟ ان مشاہدات کی کیفیت کیا تھی؟ اس کے علاوہ پروفیسر عبداللطیف صاحب کی تحقیق کہاں تک حقائق پر مشتمل ہے؟ انہوں نے واقعی قدیم ماہرین فن کی تائید حاصل کی ہے یا نہیں؟ انکی تحقیق کتنی عمدہ ہے؟ فتویٰ دینے والے مفتی صاحب نے اس کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا بھی ہے یا نہیں؟ دارالعلوم کراچی کے فتوے پر یہ سارے اشکالات وارد ہوتے ہیں ہم یہاں ان اسباب کو نہیں چھیڑتے۔ مگر یہ بات تو یقینی طور ثابت ہوگئی، اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اصل تحقیق بزرگوں کی نہیں بلکہ پروفیسر صاحب کی ہے۔

ایک دلچسپ:

طوالت کا خوف ضرور ہے مگر فاضل مصنف کا اس بحث کو چھیڑنے کی خاطر دلچسپی کے لئے محترم پروفیسر صاحب کے ایک خط کی مختصر عبارت اور راقم کی طرف سے اس کے جواب میں ارسال کردہ خط کی ایک عبارت یہاں درج کی جا رہی ہے۔ امید ہے دلچسپی کے ساتھ اکابر کے اختلاف پر ہلکی سی روشنی بھی ضرور ڈالے گی: محترم پروفیسر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”کاش ان حضرات کو اس وقت کا بھی مشاہدہ کرادیا جاتا جب سورج 18 درجہ زیر افق پر تھا۔ اس سے قطعی بات واضح ہو جاتی۔ کہ صبح صادق 15 پر۔ یا۔ 18 درجہ پر کس کپر نمودار ہوتی ہے۔ مگر وہاں تو قصہ ہی دوسرا تھا۔۔ زیر افق 18 درجہ کے لمحہ کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ تو صبح کاذب کا وقت ہے اس کے مشاہدہ کی کیا

ضرورت ہے۔ اس لمحہ کو قطعی نظر انداز کیا گیا۔ اور مشاہدہ کی ضرورت تک محسوس نہیں کی گئی۔۔۔ حالانکہ یہی وہ وقت ہے جب صبح صادق صادق نمودار ہوتی ہے۔۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان گیارہ علماء کرام کی جمعیت کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ 15 درجہ اور 18 درجہ کا کیا چکر ہے۔ یہ حضرات ان فنی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے۔۔۔ اور نا ہی ان حضرات کو معلوم تھا کہ یہ مقدمہ بن جائے گا۔ اگر مشاہدہ میں یہ گیارہ علماء کرام کی جماعت زیر افاق 18 درجہ کے لمحہ کا مشاہدہ کر لیتے اور اس لمحہ پر صبح کاذب کا مشاہدہ کر کے ایک بیان بھی دے دیتے تو مزید کسی وضاحت کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ مگر واللہ عالم کیوں اس کے مشاہدہ کی طرف رخ بھی نہ کیا۔ کاش ان حضرات کو اس وقت (18 درجہ کے لمحہ) کا بھی مشاہدہ کرا دیا جاتا اور وہ اسہی وقت طے فرما دیتے کہ اس لمحہ صبح کاذب کی کوئی علامات نہیں ہیں۔۔۔ کیونکہ اس لمحہ کسی قسم کی صبح کاذب کی علامات ہوتی ہی نہیں ہیں۔“ (1)

ہماری طرف سے جوابی خط کا ایک اقتباس:

”جناب نے بزرگوں کی مشاہدات کے بارے میں تحریر فرمایا ہے
ان حضرات کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ جھوٹے اور غیر ذمہ

(1) اصل خط راقم کے پاس موجود ہے۔

دارتھے، ان پر سراسر الزم ہے، جو اباً عرض ہے کہ ہم قطعاً یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ ہم ان حضرات کے بارے میں یہ تصور بھی کر سکیں کہ چہ جائیکہ ان پر الزام لگائیں۔ شاید جناب نے ان حضرات کے ساتھ تحقیقی اختلاف کو ہی الزام کا نام دیا ہو تو اس بارے میں یہ بات ذہن نشین فرمائی جائے کہ علمی تحقیق کی بنیاد پر کسی کیساتھ اختلاف کرنا ان پر الزام لگانے کو مستلزم نہیں ہوتا ہے ورنہ اسلاف و متقدمین حضرات میں اس قسم کے اختلاف کی بے شمار مثالیں کتب فقہ میں موجود ہیں۔ ان اختلافات کو شاہد جناب بھی ایک دوسرے پر (معاذ اللہ) الزام، ان کا غیر ذمہ دار ہونا یا ان کے بارے میں جھوٹا ہونا قرار نہ دے سکے۔ جناب نے خود اسی جوابی خط میں تحریر فرمایا ہے..... ’’یہ حضرات ان فنی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے۔۔۔۔۔‘‘ جب ان حضرات کا اس فن سے ناواقفیت جناب کے نزدیک خود مسلم ہے تو جناب ہی سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں ان بزرگوں کے رجوع کی بنیاد کس چیز پر ہوگی....؟ اگر اس کی بنیاد فنی تحقیق ہے تو وہ بقول جناب بزرگوں کے پاس تھی نہیں، اور اگر اس (رجوع) کی بنیاد تحقیق شرعی تھی تو اس کی جناب کے پاس دلیل نہیں۔ پھر ان کے رجوع سے کسی کا اختلاف کرنا کس دلیل کی مخالفت ہے اور یہ کیسے الزام میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس کے

علاوہ اگر ان حضرات کو ماہرین فی الفن نہ ہونے کی وجہ سے رجوع میں غلط فہمی ہوئی ہو تو یہ عین ممکن ہے اور اس صورت میں تو ان حضرات کی نیت پر کسی قسم کا شک کئے بغیر ان سے اختلاف واجب ہو جائے گا؟ لہذا اصولی طور پر یہ ہونا چاہئے کہ ان حضرات کا وہ فیصلہ زیادہ قابل اقداء ہو جو اس علم پر مبنی ہو جس میں یہ حضرات مہارت تامہ رکھتے تھے اور وہ ہے شریعت بیضاء کا علم۔ لہذا ان بزرگوں کا وہ فیصلہ جو اس (شرعی) علم پر مبنی ہو زیادہ قابل قبول ہوگا بنسبت اس فیصلے کے جو فن فلکیات و حسابات پر مبنی ہو جسمیں جناب کے نزدیک بھی انکو بصیرت حاصل نہیں تھی۔ اور یہ بات اصولی طور پر آنجناب بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ جیسا کہ جوابی خط میں تحریر فرمایا ہے..... ”کاش ان حضرات کو اس وقت کا مشاہدہ بھی کر دیا جاتا جب سورج 18 درجہ زیر افق پر تھا۔ اس سے قطعی بات واضح ہو جاتی کہ صبح صادق 15 پر یا 18 درجہ پر کس پر نمودار ہوتی ہے۔ مگر وہاں قصہ ہی دوسرا تھا..... آگے تحریر فرماتے ہیں..... مشاہدہ میں یہ گیارہ علماء کرام کی جماعت زیر افق 18 درجہ کے لمحے کا مشاہدہ کر لیتے اور اس لمحہ پر صبح کا ذب کا مشاہدہ کر کے ایک بیان بھی دے دیتے تو مزید کسی وضاحت کی قطعی ضرورت نہیں تھی مگر واللہ اعلم کیوں اس کے مشاہدے کی طرف رخ بھی نہ کیا“..... جناب کے اس بیان

سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ آپ کے نزدیک ان بزرگوں کا شرعی اصولوں کی بنیاد پر مشاہدہ ایک حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور ساتھ آنجناب نے یہ بھی افسوس کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ان حضرات کو 18 درجے کے وقت کے مطابق مشاہدہ نہیں کرایا گیا ہے بلکہ اس کے بعد (یعنی فقط 15 درجے کے مطابق) کرایا گیا ہے لہذا اس کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر ان حضرات کا مشاہدہ بقول جناب 18 درجے کے مطابق ثابت کیا جائے تو وہ جناب کو تسلیم کرنا پڑیگا (۱) اب آئیے دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں نے کس وقت مشاہدہ فرمایا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ خود مشاہدات کی صورت حال تحریر فرماتے ہیں:

☆ ”۱۱ جون، پھر ایک روشنی عرضاً پھیلنے والی افق کے اوپر شروع ہوئی، روشنی کا پورا تہین جس پر سب دیکھنے والوں نے کا اتفاق کیا وہ تو 4:19 پر تھا اس روشنی کے اس سے کچھ پہلے ہونے کا بھی بعض کو شبہ رہا۔

☆ ”۱۲ جون، صبح کو تقریباً 3:30 بجے میدان میں سب حضرات پہنچ گئے اس وقت افق پر مشرق پر کسی قسم کی روشنی نہیں تھی ٹھیک 4 بجے افق

(۱) اور جب ان حضرات کے ذہن میں فنی اختلاف کی تفصیلات یا کسی قسم کی حساب و کتاب نہیں تھی تو معلوم ہوا کہ ان مشاہدات کے بعد کیا گیا فیصلہ اس علم کی بنیاد پر تھا جو ان کے پاس بدرجہ اعلیٰ موجود تھا، یعنی شرعی علم۔

پر مخروطی طولانی روشنی نمودار ہوئی جسکو سب نے دیکھ کر صبح کاذب قرار دیا اور اس کے 17 منٹ بعد یعنی 4:17 پر صبح صادق واضح طور پر مشاہدہ کی گئی اسی پر سب کا اتفاق رہا۔ طلوع آفتاب 5:35 منٹ پر ہوا ☆ ۱۳ جون، آج کراچی میں کورنگی سوکواٹر کے قریب مشرقی ساحل سمندر پر جا کر مشاہدہ کی کوشش کی گئی جس میں مفتی رشید احمد صاحب، مولانا محی الدین صاحب، مولانا عاشق الہی صاحب، مولوی محمد علی صاحب، مولانا محمد رفیع صاحب اور احقر محمد شفیع شامل تھے۔ اتنا سب نے محسوس کیا کہ 4:11 جو وقت صبح صادق قدیم، نقشوں میں آج کی تاریخ کا لکھا ہوا ہے اس وقت کسی قسم کی روشنی افق پر نہیں تھی۔ اس کے بعد وہ روشنی جس کو صبح کاذب کہا جا سکتا ہے شروع ہوئی، پھر اس کے بعد صبح صادق کی معترضاً پھیلنے والی روشنی سامنے آئی۔“

ٹنڈو آدم میں کراچی سے بمطابق مشاہدہ طلوع آفتاب، 9 منٹ اور بموافق حساب 10 یا 11 منٹ پہلے اوقات کا دخول ہونا چاہئے۔ لہذا ان دنوں پرانے نقشوں کے مطابق ٹنڈو آدم کے اوقات یوں ہونا چاہئے:

(اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

پرانے نقشوں کے مطابق اوقات:

تاریخ	صبح کاذب	صبح صادق	طلوع آفتاب
۱۱ جون	4:01 بجے	5:32 بجے
۱۲ جون	4:00 بجے	5:32 بجے

اب مشاہدہ کی تفصیل ملاحظہ ہو:

۱۱ جون	4:19 بجے	5:32 بجے
۱۲ جون	4:00 بجے	4:17 بجے	5:32 بجے

(احسن الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۷۶)

اب آنجناب کی خدمت مودبانہ گزارش ہے کیا یہ مشاہدات اس وقت (جبکہ سورج 18 درجے زیر افق ہو) میں نہیں جس پر حد درجہ افسوس کا اظہار فرمایا گیا ہے..؟ یا کیا اس میں پرانے نقشوں کے مطابق صبح صادق کے وقت میں بزرگوں نے صبح کاذب کا اعلان نہیں کیا ہے...؟ حالانکہ یہ حضرات مشاہدے کے مقام میں ساڑھے تین بجے پہنچ چکے تھے۔ اور انہوں نے مشاہدے کے موافق پرانے نقشوں میں صبح صادق کے وقت میں، بجائے صبح صادق کے، نمودار ہونے والی صبح کاذب کا اعلان بھی کر دیا؟ تو پھر جناب کے خود مسلم اصول کہ....” مشاہدہ میں یہ گیارہ علماء کرام کی جماعت زیر افق 18 درجے کے لمحے کا مشاہدہ کر لیتے اور اس لمحے پر صبح کاذب کا مشاہدہ کر کے ایک بیان بھی

دے دیتے تو مزید کسی وضاحت کی قطعی ضرورت نہیں تھی“..... کا کیا

مطلب ہوا ؟ (۱)

اشکال : فرماتے ہیں کہ ٹنڈو آدم کے مشاہدات سلسلہ تحقیق کی ایک کڑی تھی؟ لہذا یہ ختمی تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے قطعاً معتبر نہیں ہے۔

جواب: (۲) واقعہ یہ ہے کہ اول حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے تحقیق

(۱) اقتباس کی عبارت یہاں پر ختم ہوئی۔ علاوہ ازیں ان مشاہدات سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہو گئیں: ☆ بزرگ حضرات میدان مشاہدہ میں فلکی شفق سے کافی پہلے پہنچ گئے تھے۔ ☆ پرانے نقشے میں دئے گئے صبح کے وقت سے پہلے افق پر اندھیرا تھا، اور کسی قسم کی روشنی افق پر نہیں پائی جاتی تھی۔ ☆ اگر پرانا وقت صبح صادق تسلیم کیا جائے تو ساڑھے تین بجے سے لے کر چار بجے تک کے اندھیرے میں کسی قسم کی صبح کاذب نظر نہ آئی۔ ☆ بعد میں چونکہ بزرگوں کی ساری تائید اور فیصلے کی بنیاد محترم پروفیسر صاحب کی تحقیق ہے۔ لہذا محترم پروفیسر صاحب کا بزرگوں کے مشاہدے میں ۱۸ درجے کے وقت سے پہلے پہنچنے اور دوران مشاہدہ صبح کاذب کے اعلان پر ۱۵ درجے کو تسلیم کرنا موقوف فرمایا، چنانچہ مشاہدات میں دونوں باتوں کی صراحت پائی جاتی ہے۔ لہذا پروفیسر صاحب کو یہ حقیقت تسلیم کرنا چاہیے تھا مگر ان کی طرف سے کسی قسم کا جواب اس کے بارے میں نہیں آیا حقیقت پسند حضرات کے لئے اس میں کافی سبق موجود ہے

خلاصہ کلام یہ کہ ۱۸ درجے والی تحقیق تو بزرگوں کی طرف منسوب کی جا رہی ہے مگر مذکورہ بالا شواہد سے معلوم ہوا کہ یہ تحقیق بزرگوں کی نہیں بلکہ محترم جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب کی ہے۔

فائدہ: مذکورہ بالا بحث سے مصنف کے نکتہ نمبر ۵۵ کا جواب ہو گیا۔

(۲) اس جواب سے ان شاء اللہ تعالیٰ مصنف کے نکات نمبر ۴، ۳ اور ۲ سب کا جواب ہو جائے گا

کرتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمایا کہ پرانے نقشوں کے اوقات میں سے صبح صادق کا وقت دراصل صبح کا ذب کا وقت ہے اور اسی طرح عشاء کا وقت بھی اسی مقدار میں اختتام شفق ابیض کے بعد دیا گیا ہے۔ اس تحقیق کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے العلماء کرام کی کمیٹی بنائی گئی، جس نے مفتی محمد شفیع کی سرکردگی میں تین دن مشاہدات کئے، ان بزرگوں نے انہی مشاہدات میں واقعی پرانے نقشوں کے صبح کے وقت میں صبح کا ذب کی روشنی دیکھی اور اصل صبح صادق کو اس کے کافی دیر بعد مشاہدہ کی۔ ان مشاہدات کی ساری روئداد حضرت مفتی محمد شفیع نے خود تحریر فرمادی جسے احسن الفتاویٰ میں نقل کیا گیا ہے۔ ان مشاہدات کے نتائج اور علمی تحقیق پر فقہی مجالس منعقد کئے گئے، جس میں علماء کی باقاعدہ بحث و تمحیص ہوتی رہی۔ بالآخر مجلس تحقیق نے اکابر حضرات کے زیر دستخطی ایک فیصلہ سن کر جاری کیا، کہ واقعی پرانے نقشوں میں صبح کا دیا گیا وقت دراصل صبح کا ذب کا وقت ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ بزرگوں نے اپنے موقف سے رجوع کا اعلان فرمایا، اور دوبارہ پرانے (۱۸ درجے پر بنائے گئے) نقشوں کی تصویب فرمائی۔

اکابر حضرات ہمارے بزرگ ہیں ہم ان کی بے احترامی اپنا سوء خاتمہ سمجھتے ہیں، اللہ نہ کرے کہ ہم جیسے نالائق اور بے عمل کی زبان و قلم سے ان کے خلاف ایک حرف بھی نکلے۔ مگر یہ ہمیں ان کا سکھایا ہوا سبق ہے کہ ہم ان اسباب و وجوہات کو معلوم کر کے اس پر غور و فکر کرے، کہ وہ کیا راز کی باتیں ہیں جن کی وجہ سے ان حضرات کو اپنے ختمی فیصلے سے رجوع کرنا پڑا؟ مصنف صاحب بعض بزرگوں کی عبارات نقل کر کے یہ فرماتے ہیں۔ کہ وہ بنیادی باتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف)..... بعد میں بزرگوں نے تحقیق فرماتے ہوئے ۱۸، درجے قول کی تصویب کی۔

اس کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے کہ درحقیقت وہ بزرگوں کی تحقیق ہی نہیں تھی۔

(ب)..... دوسری بات یہ کہ بزرگوں نے ٹنڈو آدم میں جو مشاہدات کئے تھے وہ سلسلہ

تحقیق کی درمیانی کڑی تھی، بنا بریں ان مشاہدات کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وہ اشکال

ہے جس کا یہاں وضاحت پیش خدمت ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ بزرگوں کی اول تحقیق زیادہ قابل اقتداء ہے بنسبت اس رجوع

کے جو کسی ماہر فن کی تحقیق پر اعتماد کر کے، کی گئی ہے۔ مذکورہ ذیل وجوہات پر غور کر کے

اشکال کا ازالہ نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے:-

(۱)..... ایک تو یہ کہ یہ سارے مشاہدات خود حضرت مفتی محمد شفیع کی سرکردگی میں ہوئے

ہیں ایسی کوئی بات ہوتی ان کو نقل کرتے وقت ضرور اس بات کی تصریح پائی جاتی۔ حالاً

نکہ یہاں اس بات کی طرف اشارہ بھی نہیں ہے۔

(۲)..... اگر یہ واقعی تحقیقی سلسلہ تھا تو ان مشاہدات کے بعد بقایا سلسلے میں حضرت مفتی

رشید احمدؒ کیوں نہیں شریک؟

(۳)..... اگر یہ سلسلہ تحقیق کی کڑی تھی تو باقی مشاہدات کب ہوئے ہیں؟ ان میں کون

کون شریک تھے؟ پھر جن کی سرکردگی میں یہ سلسلہ مشاہدات شروع ہوا تھا یعنی حضرت

مفتی محمد شفیعؒ کیا ان مشاہدات میں حضرت مفتی نے شرکت فرمائی تھی؟

(۴)..... اس سلسلہ تحقیق میں ٹنڈو آدم کے مشاہدات کو بھی شریک کئے تھے یا ان کو تحقیقی

سلسلہ سے خارج کر دئے گئے تھے؟

(۵).....دلائل میں قوی تر دلائل کے ملنے کی وجہ سے بعض کو ترک کئے جاسکتے ہیں یا ان سے رجوع تو معروف و مشہور ہے، مگر جب ایک روشنی ایک کیفیت کے ساتھ علماء کی ایک جماعت نے دیکھی تو اس مشاہدے سے رجوع یا اس کو ترک کرنے کا کیا مطلب؟

(۶)..... اگر یہ مشاہدات سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی تھی اور ابھی بات ایک طرف طے نہیں ہوئی تھی تو اس کے باوجود حضرت مفتی شفیع مندرجہ ذیل فتویٰ کیوں صادر فرماتے تھے؟ فتوے کی عبارت کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:

حامداً ومصلياً اتی بات تو یقینی ہوگئی ہے کہ نقشوں اور جنتریوں میں جو وقت صبح صادق کا لکھا ہے وہ صبح صادق کا اصلی وقت نہیں ہے بلکہ غالباً صبح کاذب کا وقت ہے جو انتہاء سحر کے لئے احتیاطاً لکھا گیا ہے..... لہذا نقشوں کے مطابق فوراً اذان دے کر مرد یا عورتوں کا نماز پڑھنا درست نہیں..... (احسن الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۷۷)

(۷)..... اگر آگے تحقیق کا سلسلہ مشاہدات جاری تھا اور ابھی تک طے شدہ کام درمیانی کڑیاں تھی تو کیا ان کڑیوں میں ”مجلس تحقیق“ کا فیصلہ بھی ایک کڑی کہلائے گا؟ جبکہ لکھنے والے خود مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ہیں:

منعقدہ دارالعلوم کراچی ۱۳ ذی قعدہ ۹۲ھ

”اس مجلس میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کے رسالہ صبح صادق کے دلائل پر غور کیا گیا اور متعلقہ کتب کی مراجعت کی گئی نیز مسئلہ کی تحقیق اور مشاہدات کے لئے ٹنڈو آدم کا جو سفر کیا گیا تھا اس

کے نتائج زیر غور آئے، بحث و تجویز کے بعد مندرجہ ذیل باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں:

☆ مسئلہ کے زیر غور آنے کے بعد متفرق ایام میں جتنے مشاہدات کئے گئے ان میں سے کسی میں بھی مروجہ جنتریوں کے مطابق صبح صادق نہیں ہوئی بلکہ اس کے بعد ہوئی۔

☆ ان سب امور سے ثابت ہوتا ہے کہ مروجہ جنتریوں میں صبح صادق کے نام سے جو وقت درج لکھا گیا ہے وہ درحقیقت صبح کاذب کا ہے۔

☆ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے صبح صادق کے جو اوقات نکالے ہیں ان کا مقابلہ ٹنڈو آدم کے مشاہدات سے کیا گیا فرق صرف ایک منٹ کا تھا۔

☆ بہر کیف مذکورہ بالا تحقیق سے ہمیں بھی یہ ظن غالب ہوتا ہے کہ مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے حسابی طریقہ سے جو اوقات نکالے ہیں وہ درست ہیں۔

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۴/۱۲ ذی قعدہ سنہ ۹۲ ہجری

اس فیصلے پر مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات نے دستخط کئے ہیں:

☆ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ

☆ حضرت مفتی رشید احمدؒ

☆ حضرت مولانا محمد عاشق الہی اور ☆ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم۔
اب آئیے دوبارہ محترم مصنف (مفتی رضوان صاحب) کی عبارت پڑھ کر ملاحظہ فرمائے
کہ اس میں کتنی صداقت پائی جاتی ہے؟

”اور درمیان میں بعض اہل حضرات کی طرف سے جدید و قدیم اہل
فن کے کچھ اقوال پیش کر کے ان اہل علم کی اپنی نئی تحقیق کی روشنی
میں یہ باور کرایا گیا کہ اس قدیم جنتری میں جو صبح صادق کا وقت دیا
گیا ہے وہ درحقیقت صبح کاذب کا وقت ہے جس کے بعد اس احتمال
کی بنیاد پر ممکن ہے کہ نئے اہل فن نے صبح کاذب و صادق میں فرق
نہ کیا ہو اور کاذب ہی کو صبح صادق کہہ دیا ہو، حضرت مفتی صاحب کو
صبح صادق کے معاملے میں تردد ہو گیا اور اس دوران احتیاطاً سحری
کا کھانا قدیم جنتری کے مطابق بند کرنے اور فجر کی نماز پندرہ بیس
منٹ بعد پڑھنے کو اختیار فرمایا“..... (کتاب زیر تبصرہ صفحہ نمبر ۱۶۹، ۱۷۰)

”ان تمام اکابر حضرات کی وضاحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت
مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت بنوری رحمہما اللہ نے جور جوع
فرمایا، وہ سابق جنتری کے متعلق تردد و تذبذب سے رجوع تھا، ورنہ
آپ کا آخری اور حتمی فتویٰ و فیصلہ آپ کے پہلے موقف کے مطابق
ہی تھا..... (کتاب زیر تبصرہ صفحہ نمبر ۱۷۷)

مصنف نے کتنی صراحت کے ساتھ (۱۳/۱۴ ذی قعدہ سنہ ۹۲ ہجری کو منعقدہ) دارالعلوم کراچی

کا متفقہ فیصلہ جس میں ”..بحث و تہیص کے بعد مندرجہ ذیل باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں“ جیسی عبارت لکھی ہے اور اس کے بعد جو باتیں تحریر فرمائی ہیں سب کے سب میں نہایت ہی یقین اور ثبوت پر مبنی دعوے موجود ہیں۔ کیا اس جیسی تحریرات جو اکابر کی کی تحریر کردہ اور دستخط شدہ ہیں ”تذبذب“ قرار دیا جاسکتا ہے، جس سے ایک مجمل رجوع کے اقرار کی وجہ سے رد کر دیا جائے؟ پھر مصنف نے انہی عبارات کو دیکھنے کے باوجود اسے کیوں ”تذبذب“ قرار دے دیا؟ آپ مصنف کی یہ عبارت پڑھ لیجئے گا اور اوپر حضرت محمد تقی عثمانی صاحب کے قلم کا متفقہ فیصلے کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے گا۔ کیا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نہیں ہے؟ محترم مصنف آگے مزید تحریر فرماتے ہیں:

”اور ان حضرات نے اولاً تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ

کی تحقیق کو حتمی طور پر قبول ہی نہیں کیا تھا۔ لہذا درمیانی رائے

احتیاطی تھی، دوسرے وہ مشاہدات و تحقیقات بھی مکمل نہیں تھیں“

مصنف صاحب کی خدمت میں ہم گزارش کریں گے کہ جب ایک فیصلہ باقاعدہ اور باضابطہ طور پر علماء کی مجلس تحقیق میں زیر بحث لایا جائے اور اس بحث و تہیص کے بعد مذکورہ بالا عبارت پراکابر کے دستخط ہو جائیں اور اس کے باوجود اسے ”قبول نہ کرنا“ ہی کہا جاتا رہے تو یہ معما کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ علاوہ ازیں مصنف بزرگوں کی جس رجوع کو ہی اصل قرار دے کر پرانے نقشے کو ”قبول کرنے“ کی زینت بخشنے کی کوشش فرما رہے ہیں، کیا اس دعوے پر اس قسم کی تحریر جس میں کسی مجلس تحقیق کی تفصیلی روئید اور متفقہ فیصلے کی صورت میں زیر دستخطی موقف موجود ہو، مصنف پیش فرما سکتے ہیں

، جسے ”قبول کرنا“ کہا جاسکے؟

کیا مذکورہ بالا شواہد کو پڑھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ ابھی سلسلہ تحقیق پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا ہے؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ بزرگوں کو کسی نے محض اپنی تحقیق سے باور کرایا تھا؟ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ صرف شک و تردید کی بنیاد پر محض احتیاطاً ۱۵ درجے کا فتویٰ دیا گیا تھا؟ کیا بالکل یقین کے ساتھ پرانے نقشوں کے صبح صادق کے اوقات کو ٹنڈو آدم ہی کے مشاہدات کی بنا پر صراحت کے ساتھ صبح کاذب نہیں قرار دیا گیا ہے؟ جو حضرات اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ بزرگوں سے فتوے باور کرا کر دلایا گیا تھا تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ مذکورہ بالا سوالات کا واضح طور پر جوابات ارشاد فرمائیں۔

اختلاف کس چیز میں ہے؟

محترم مصنف نے جس انداز سے طرز کلام کو زور دیا ہوا ہے، اس سے دو باتوں کا اندازہ ہو رہا ہے۔ اول یہ کہ مصنف کو اصل حقیقت کا نہیں پتہ کہ اختلاف کس چیز میں ہے ہم کس چیز کے انکار پر مصر ہیں؟ اور یا یہ کہ مصنف جان بوجھ کر ایسی باتیں تحریر فرماتے ہیں جس سے لوگوں پر اصل حقیقت مشتبہ ہو سکے۔ مؤخر الذکر کی توقع اہل علم سے قطعاً نہیں کیا جاسکتا البتہ پہلی بات (یعنی عدم علم) ممکن ہے۔

بات یہ ہے کہ اکابر کے اختلاف کے حوالے سے متنازع فیہ امر یہ ہے کہ اکابر نے جن وجوہات اور بنیادوں کو مد نظر رکھ کر رجوع فرمایا ہے دراصل ان میں کلام ہے۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اکابر نے رجوع فرمایا ہے یا نہیں؟ محترم مصنف نے جتنی بھی عبارات حوالہ کے طور پر نقل فرمائی ہیں ان سب کا تعلق اس دوسرے امر کے ساتھ

ہے، یعنی اس سے زیادہ سے زیادہ اکابر کی رجوع کا ثبوت مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے گا۔ اب یہ بات کہ رجوع کیوں فرمایا ہے اس کی بنا دیں کیا ہیں؟ ایسی صورت حال میں ہمارے اوپر اس کا قبول کرنا لازم ہے یا تحقیق کی بھی گنجائش باقی ہے؟ پس جو شخص اس بات کا دعویدار ہو کہ ان کی رجوع کی بنیاد بالکل مضبوط تھی بنسبت اس تحقیق کی جو کہ پہلی ہوئی تھی۔ تو اس پر صرف اکابر کی رجوع پر مشتمل تحریریں نہیں بلکہ ایسے شواہد پیش کرنے پڑیں گے جو ہر اعتبار سے مرجوع عنہ کے شواہد سے مضبوط تر ہوں۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ تحقیق اول میں بزرگ اکابر حضرات مشاہدات میں خود شریک ہوئے تھے، انہوں نے اسی سلسلے میں مختلف فقہی مجالس منعقد کی، ان مجالس میں اس مسئلے پر بحث و تمحیص بھی ہوئی، علاوہ ازیں ان حضرات کے زہن اس وقت فنی پیچیدگیوں سے بالکل پاک و صاف تھے چنانچہ ان کی بحث و تمحیص یقیناً شرعی اصولوں کے تحت ہوگی۔ بالآخر ۱۳ ذی قعدہ ۹۲ھ کو آخری مجلس کا انعقاد ہوا اور اس کے اندر جس انداز میں فیصلہ سنایا گیا اس کی قوت و یقین اور صحت پر اس تحریر کا ایک ایک حرف گواہی دینے کے لئے پکار رہا ہے، جسے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بقلم خود تحریر فرمائے ہیں۔

اس کے برعکس جب ہم رجوع کے اعلان کے بعد دیکھتے ہیں تو محسوس ایسا ہوتا ہے جیسا کہ اکابر ابھی سائید پر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ہمیں نہ اسی طرح مشاہدات میں اکابر نظر آتے ہیں، نہ کوئی فقہی مجلس ریکارڈ پر ہے، نہ کوئی اجتماعی اور اکابر کے زیر دستخطی تحریر دکھائی دے رہی ہے۔ اگر نظر آتا ہے تو وہ رجوع کا ثبوت ہی تو ہے۔ یا اگر کچھ ملتا ہے تو اہل فن ہی کے اقوال ملتے ہیں۔ ایسی صورت حال کو سامنے رکھ کر بزرگوں کی رجوع کو

جمل اور مبہم نہ قرار دیا جائے تو اور کیا کیا جائے؟ لہذا مصنف کا اظہار تعجب بذات خود تعجب ہے کہ انہی حقائق کے ہوتے ہوئے بھی وہ صورت حال کا صحیح نقشہ نہ کھینچ سکے، تحریر فرماتے ہیں: ”لہذا احسن الفتاویٰ میں مذکور یہ سخت فیصلہ قابل اطمینان نہ ہو سکا، بلکہ باعث تعجب ہے“..... (کتاب مذکور: ص ۷۷، حاشیے کا آخری سطر)

حقیقت کیا ہے؟

در اصل حقیقت یہ ہے کہ پہلے سے ہی یہاں پاکستان میں اوقات صلوة کے پرانے نقشے استعمال ہوا کرتے تھے۔ عمومی طور حضرات اکابر نے کوئی خاص ضرورت اس کے پرکھنے کی محسوس نہیں فرمائی بلکہ ایک آدھ وقت کا مشاہدہ کر کے باقی کی صحت پر اعتماد حاصل کر لیتے۔ مثلاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں:

۱۳۶۸ھ اور ۱۹۴۸ء میں جب احقر پاکستان کراچی میں آ کر مقیم ہوا تو یہاں کی عام مساجد وغیرہ میں اوقات ایک جنتری طبع کردہ حضرت حاجی وجیہ الدین صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ آویزاں دیکھی اور بہت سے قابل اعتماد حضرات سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس جنتری کے طلوع و غروب کو مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں جانچا ہے، اور صحیح پایا ہے، خود بھی جب کبھی جانچنے کا موقع ملا تو اس کے طلوع و غروب کو صحیح پایا، اس لئے دوسرے اوقات کے معاملہ میں بھی اسی پر اعتماد کیا گیا،..... (احسن الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۹۱)

پھر تقریباً ۱۹۷۰ء میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد کی تحقیق سامنے آ کر صبح

صادق اور عشاء کے اوقات میں کافی سارا فرق نکل آیا جس کی وجہ سے ماحول میں کافی ساری بے چینی پھیل گئی۔ اسی بے چینی کی وجہ سے حضرات اکابر، جن کے سرپرست حضرت مولانا مفتی محمد شفیع تھے، نے اسی تحقیق کی جانچ پڑتال کر کے مجلس تحقیق کے وساطت سے ۱۳۹۲ھ/یہی فیصلہ فرمایا۔ جس کی عبارت اوپر آپ پڑھ آئے۔ شروع سے لے کر یہاں مجلس تحقیق کے فیصلے تک ساری تحقیق کی کارروائی ریکارڈ پر ہے اور اس کی سرپرستی باضابطہ طور پر حضرت مفتی محمد شفیع نے فرمائی، مشاہدات بھی بزرگوں کی سرکردگی اور ان کی موجودگی میں ہوئے اور اجلاس کی روئیداد و کارروائی پھر ان تحقیقی مراحل طے کرنے کے بعد مجلس تحقیق کا انعقاد و انتظام، اس کے اندر اس موضوع پر بحث و تہیص وغیرہ یہ تمام امور انہی بزرگوں کی زیر سرپرستی طے ہو گئے اور بالآخر اکابر کے زیر دستخط اجتماعی فیصلے کی تحریر و ضبط حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے ہی قلم سے وجود میں آ کر باقاعدہ طور پر جاری ہوا، کہ پرانے نقشوں میں صبح صادق کا وقت دراصل صبح کاذب کا وقت ہے اور صبح صادق کا وقت اس کے تقریباً ۱۵، ۲۰ منٹ بعد داخل ہوتا ہے جو مفتی رشید احمد صاحب کے نقشے کے بالکل مطابق ہیں، اور اسی سے گزشتہ جو تذبذب پیدا ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔

اس کے تقریباً ایک سال بعد ۱۳۹۳ھ میں دوبارہ یہ مسئلہ کھڑا ہوتا ہے اور اس پر تحقیق ہوتی ہے جس کی وجہ سے بالآخر بزرگوں کی رائے دوبارہ پہلی تحقیق کے برعکس پرانی تحقیق پر آ کر رجوع کی شکل میں سامنے آتی ہے۔

دونوں میں فرق:

مگر اس تحقیق اور پہلی تحقیق میں نمایاں فرق جو سامنے ہے وہ یہ ہے کہ:

(۱)..... پہلے سرپرستی حضرات اکابر کرتے تھے اور اب اول تو یہ کہ کوئی نہیں معلوم اور اگر

معلوم ہے تو محترم پروفیسر عبداللطیف صاحب ہیں۔

(۲)..... پہلی تحقیق میں بزرگوں ہی کی رکردگی میں مشاہدات کا سلسلہ چلا تھا جبکہ دوسری

تحقیق میں سرے سے بزرگوں کی شرکت ہی نظر نہیں آتی۔

(۳)..... پہلی تحقیق کا فیصلہ باضابطہ طور پر مجلس تحقیق کے سامنے پیش ہو کر منفقہ طور پر

زیر دستخط جاری ہوا جبکہ دوسری تحقیق کے لئے کوئی ایسا انتظام ہمارے علم میں نہیں۔

(۴)..... یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ اسلامی محقق کے لئے دیگر علوم و فنون کے عربی

زبان اور فقہ اسلامی میں مہارت و عبور ضروری ہوتا ہے، چنانچہ:

(۵)..... پہلی تحقیق کے محقق فقیہ العصر، مرشد العلماء اور ماہر فن فلکیات حضرت مولانا

مفتی رشید احمد صاحب ہیں جبکہ دوسری تحقیق کے محقق جناب محترم پروفیسر عبداللطیف

صاحب ہیں۔ جن کے لئے عربی عبارات کے تراجم حضرت مفتی رضاء الحق صاحب

نے کئے ہیں۔

(۶)..... پہلی تحقیق جس علم کی روشنی میں پایہ تکمیل تک پہنچی تھی وہ حضرات اکابر کے پاس

بدرجہ اعلیٰ موجود تھا جبکہ دوسری تحقیق کی بنیاد میں جس علم سے کام لیا گیا ہے، بقول

سرپرست تحقیق محترم پروفیسر صاحب اس سے حضرات اکابر سارے ناشناختے۔

اب آپ خود سوچ کر فرمائیے کہ پہلی تحقیق و مشاہدات کو سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی کہا

جائے یادوںوں مستقل تحقیق قرار دینا چاہیے؟ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ پہلی تحقیق درمیانی کڑی نہیں ہے بلکہ ایک مستقل اور فیصلہ شدہ نتائج پر مشتمل تحقیق ہے اور دوسری کی بنسبت زیادہ قابل اقتداء ہے۔

علاوہ ازیں فاضل مصنف نے علماء کرام کے قلم سے جتنے بھی تائیدی اقوال اور رائے نقل کی ہیں وہ اس دوسری تحقیق کے ساتھ متعلق ہو کر بزرگوں کی تقلید میں وارد ہوئے ہیں۔ ایسی صورتحال میں جب اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے تو بزرگوں کا احترام سر آنکھوں پر کرتے ہوئے مسئلے کا از سر نو تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لینا چاہیے۔

اظہار حق اور اکابر کا احترام :-

کوئی کوتاہ فہم مذکورہ بالا بحث سے یہ مراد نہ سمجھے کہ راقم کے نزدیک معاذ اللہ وہ بزرگ اکابر قابل احترام نہیں ہیں یا ان بزرگوں نے (معاذ اللہ) جان بوجھ کر جھوٹی تصدیق و تائید فرمائی تھی دراصل کسی بھی علمی شخصیت کا مکمل احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کیساتھ دلیل پر مبنی علمی اختلاف کو آج تک کسی عالم ربانی نے ناجائز نہیں قرار دیا ہے بلکہ خود ان بزرگوں کے عمل سے یہ بات ہم طالب علموں نے سیکھی ہے کہ اکابر کا احترام کرتے ہوئے بعض اوقات اظہار حق ضروری ہو جاتا ہے۔ اکابر کے احترام اور اظہار حق کی ایک مثال آپ فتاویٰ عثمانیہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ دیوبند سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے رمضان میں نوافل کی جماعت کو قیام اللیل کے زمرے میں داخل کر کے جائز قرار دیا تھا۔ مگر اسی کے جواب میں اس کے برعکس حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، جو اس وقت دورہ حدیث میں داخلہ لینے والے تھے، نے مطلقاً

مکروہ قرار دے دیا جس کی تصویب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نے فرما کر مستفتی کو ارسال کر دیا گیا۔ اور ازالہ شبہ کی خاطر اکابر کے احترام کے عنوان کے تحت یہ وضاحت فرمائی کہ یہ طریقہ کار اکابر کے احترام کے نہ صرف یہ کہ منافی نہیں بلکہ یہ عین ان کی تعلیم ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب ایک دعویٰ کے اثبات میں اکابر کی تحقیق کار فرما ہی نہ ہو بلکہ ایک ماہر فن فلکیات کی تحقیق پر محض ان بزرگوں کی تائید و تصویب کی بنا پر عمل عام ہو جائے تو اسکو جمہور علماء کی تحقیق یا اسکوا اکابر کی تحقیق قرار دینا قطعاً درست نہیں ہے۔ یعنی محض ظاہری طور پر عمومی قبولیت استدلال کے باب میں مفید نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

(۱) یہ ہوا کہ چونکہ پرانے نقشے، محققین علماء کی طرف سے نہیں بلکہ، ویسے بغیر پرکھ کے ان دیکھے عملی طور پر مشہور ہو گئے ہیں۔ لہذا اس کو جمہور کا عمل قرار دیکر اس کی مخالفت کو مطلقاً ناجائز سمجھنا قطعاً اصول تحقیق کے خلاف ہے۔ پھر خصوصاً جب اس کے برعکس محققین علماء کی ایک کثیر تعداد ان نقشوں میں غلطی کے قائل ہوں، اور ان محققین کی طرف سے یہ فیصلہ کوئی جزباتی یا مبنی بر تعصب نہ بلکہ ان میں اکثریت نے ذاتی طور پر تجربات و مشاہدات کر کے یہ نتائج اخذ کئے ہیں جن کے تفصیلی حوالجات اوپر گزر چکے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اس کو تفر داور پرانے نقشے کو جمہور کا معمول بہ قرار دے، تو یہ بات حقانیت سے کوسوں دور ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ثابت ہوگئی کہ ظاہری طور پر کسی چیز کی شہرت اس کی صحت اور اصلیت پر دلالت ہرگز نہیں کرتی۔ کیونکہ احتمال خطاء ہر جگہ موجود ہے۔ علامہ شامی نے

فقہاء احناف کے بڑے بڑے مضبوط اور قد آور شخصیات کی طرف سے وقوع خطاء کا تذکرہ فرما کر ان لوگوں کو سبق دینے کی کوشش کی ہے کہ جو لوگ فتویٰ دینے کی جسارت کریں گے تو ان پر لازم ہے کوئی بھی مسئلہ ہو اصل مآخذ سے نقل کرنا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ایک غلطی کسی بھی صورت میں کہیں سے بھی جب نکل پڑتی ہے تو پھر صدیوں کو پار کرنے سے پہلے وہ رکتی نہیں۔ گویا محققین اور اہل علم حضرات کا قول و عمل چونکہ قابل اقتداء ہوتے ہیں لہذا ان حضرات کو مسائل کے میدان میں انتہائی احتیاط اور حد درجہ بیداری سے کام لیکر چلنا چاہئے ورنہ ان کی ایک لغزش مسلمانوں کی عملی بربادی کا سامان بن سکتی ہے۔ لہذا اس اصول کو مدنظر رکھ کر کسی نے فریقین (قائلین 18 درجے اور قائلین 15 درجے) کے دلائل، استنباط و استدلال اور محققین کی آراء کا منصفانہ جائزہ لیا ہے؟؟؟

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

اگلے صفحات میں

مذکورہ بالا مضمون کے جواب میں

مفتی رضوان صاحب کی طرف سے

جوابی کارروائی اور اس کا جائزہ ملاحظہ فرمائیں

مفتی رضوان صاحب کی طرف سے جوابی کارروائی اور اس کا جائزہ

پچھلے صفحات میں ذکر کردہ تبصرہ محترم مفتی رضوان صاحب کی خدمت میں ارسال کیا گیا، تو انہوں نے اس پر جوابی کلام تحریر فرمایا۔ جو ”کشف الغطاء عن وقت الفجر والعشاء“ کے نام سے ”ادارہ غفران“ سے شائع کیا گیا۔ ہمیں اس کی ایک کاپی ملی وہ کیسے ملی اس کی روئید نقل نہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔ بہر حال وہ کاپی ادارہ غفران ہی سے پھر ڈاکخانے کے ذریعے ہمارے پاس پہنچ گئی۔ ہم اس بات پر ادارہ غفران کے مشکور ہیں۔ جس میں مؤلف مذکور نے کشف الغطاء کے دیگر مقامات کی طرح ”اختلاف اکابر“ کی بحث کا بھی جواب ضروری سمجھا۔ لہذا آپ نے ”کشف الغاء“ میں صفحہ 207 تا 229 تک زیر بحث موضوع پر 23 صفحات پر مشتمل بحث تحریر فرمائی۔ جس کے جواب میں ہماری طرف سے بھی جوابی کتاب بنام ”کشف السطور عمافی کشف الغطاء بین السطور“ ادارہ غفران میں بھیجی گئی۔

جیسا کہ قارئین پر یہ بات مخفی نہیں کہ ”اختلاف اکابر“ کے حوالے سے ”کشف الغطاء“ میں ہمارے موضوع کا محور بنیادی طور پر دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مؤلف صاحب نے چند حقائق حذف کئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ 18 درجے کی تحقیق کی اصل روح بدل ڈالی ہے۔ پہلے کی وضاحت یہ ہے کہ ہم نے باقاعدہ ثبوت کے ساتھ وہ حقائق نقل کئے جنہیں محترم نے چھوڑ دئے تھے۔ دوسرا ہم نے مجلس تحقیق کا فیصلہ نقل کر کے یہ بات

بھی ثابت کی کہ بزرگوں نے جب 15 درجے پر صبح صادق کا قول اختیار فرمایا تھا تو وہ محض ان کا تردنہیں تھا بلکہ باقاعدہ طور پر تحقیقی مراحل کے بعد اکابر ہی کی ”فقہی مجلس“ کا فیصلہ تھا۔ اور اس کے بعد 18 درجے کو اختیار کرنا ان کی طرف سے ”رجوع“ کا معاملہ تھا۔ پھر تیسری بات یہ سمجھ لیجئے کہ محترم مصنف صاحب سے ہم نے مطالبہ کیا کہ مشاہدات اور مجالس تحقیق کے نتیجے میں صادر شدہ ایک متفقہ فیصلے کی تہنیک کے لئے صرف یہ بات کافی نہیں کہ محض اکابر کے ”رجوع“ کا علم ہو جائے۔ بلکہ اس سے قوی تر تحقیق کی ضرورت ہوگی، جس میں رجوع کے بنیادی اسباب کا تذکرہ اور پہلی تحقیق کی طرح مکمل طور پر مشاہدات اور مجالس فقہاء کا ریکارڈ درج ہو۔ پہلی تحقیق کی یہ ساری تفصیلات اگر ریکارڈ پر ہیں تو دوسری تحقیق کا ریکارڈ کہاں غائب ہو گیا؟

کشف الغطاء میں ہمارے کلام کا جواب تو 23 صفحات پر مشتمل کر کے دیا ہے مگر ہمارے مضمون میں بنیادی طور پر جو نکات تھے جن پر اصل مسئلے کا دار و مدار تھا، اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔ یہاں مفتی صاحب کی پوری بحث کو نقل کرنا شاید ہمارے لئے مشکل ہو کیونکہ یہ رسالہ اتنی طوالت کا متحمل نہیں ہے۔ اور نہ ساری اجاث قابل التفات ہیں۔ احقر ایک مثال عرض کریگا۔ مثلاً ہم نے کشف الغطاء میں مصنف مذکور کی تحریر کا خلاصہ اپنے الفاظ میں نمبر وار درج کیا (ملاحظہ ہو ص: 12، 13 رسالہ ہذا) قارئین ان صفحات سے پہلے مصنف کی عبارت ملاحظہ فرمائیں پھر انہی صفحات میں ہمارا خلاصہ دیکھیں ہم نے اس میں کونسی خیانت کی ہے۔ علاوہ ازیں یہ طریقہ ہم نے ایک مجبوری کی خاطر اختیار کیا ہے جو کہ ہمیں مصنف موصوف کی طرف سے پیش آئی تھی، جو حقائق حذف کئے

تھے ان کا اظہار طریقہ مذکورہ کے بغیر مشکل تھا، اور عام مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے اسے منظر عام پر لانا ضروری بھی تھا۔ تو وہ تب ممکن ہوا کہ ہم نے نمبر ۴ کے بعد نقطہ دار لائیں چھوڑ کر بعد میں ذیلی نمبر دے کر ان کی وضاحت پیش کر دی۔ مگر ”کشف الغطاء“ کے مصنف ہمارے اسی عمل کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

”اس کے بعد معترض صاحب نے ہمارے مضمون کے صفحہ ۷۰ کی عبارت نقل کی ہے، اور ہماری اس عبارت کا خلاصہ اپنے لفظوں میں سات شقوں میں نکالا ہے، جو معترض صاحب کی غفلت کی دلیل ہے۔ پھر خود ہی معترض صاحب لکھتے ہیں کہ: اگر مذکورہ بالا نکات ہم نے درست نکالے ہیں تو اس کا اجمالی جائزہ یہ ہے (کشف الغطاء ص ۹۷ بلفظہ) مگر چونکہ یہ نکات معترض صاحب نے خود نکالے ہوئے ہیں، اسی لئے ان پر جو کلام کیا، اس کے ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہیں۔“ (کشف الغطاء: ص ۲۰۸)

قارئین ملاحظہ فرمائیں ہم نے مؤلف مذکور کی پوری عبارت نقل کر کے اسی کا خلاصہ پیش کیا اس میں ہم نے کیا جھوٹ لکھایا ہم نے عبارت کا کونسا خاص اور اہم حصہ حذف کر دیا ہے، یا ہم موصوف کی عبارت کا کون سا حصہ نہ سمجھ سکیں؟ جس کی وجہ سے اسے لکھنا پڑ رہا ہے کہ یہ ”معترض صاحب کی غفلت کی دلیل ہے“ حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ وہ حقائق کو تسلیم کر لیتے اور جہاں ہم نے غلطی کی تھی اسی کا مدلل جواب تحریر کرتے۔ مگر یہ کونسا علمی طریقہ ہے کہ اس کے جواب میں یہ لکھ بیٹھے ”مگر چونکہ یہ نکات معترض صاحب نے خود نکالے ہوئے ہیں، اسی لئے ان پر جو کلام کیا، اس کے ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہیں“ سوال یہ ہے کہ نکات اگر مفتی صاحب کے کلام سے واقعی نکلے

ہیں، تو اپنی عبارت کا دفاع مفتی صاحب نہیں کریں گے، تو اور کون کرے گا؟ پھر مفتی صاحب اسے ہمارے ذمے کیوں لگاتے ہیں؟ چنانچہ مؤلف مذکور نے اس قسم کی بہت ساری غیر متعلقہ اسباحث چھیڑتے ہوئے کلام کو اچھا خاص طول دیا ہے۔ لہذا ہمیں سب کو نقل کرنا یا سب کا جواب دینا بالکل ایک لالیعنی کام نظر آ رہا ہے۔ پس اس بحث کا جو جواب ”کشف الستور“ میں احقر نے دیا ہے مناسب ہے کہ اسی کو بعینہ یہاں درج کر دیا جائے۔ چنانچہ آنے والے مضمون میں جہاں مصنف کی کتاب کا تذکرہ آتا ہے تو حوالہ درج ہوگا ورنہ اس سے مراد ”کشف الغطاء“ ہوگا۔ اسی طرح اگر بغیر حوالے کے صفحات کا تذکرہ بالخصوص عنوان کے متصل نیچے جو صفحات کا حوالہ درج ہے، اس سے بھی مراد ”کشف الغطاء“ ہے۔

معذرت: احقر رسالہ ہذا کے قارئین سے معذرت چاہتا ہے کہ ہم عمومی طور پر تحریر و کلام میں تشدد سے بہت سختی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر کشف الغطاء میں جو انداز کلام اپنایا گیا ہے، الامان والحفیظ۔ چونکہ آنے والے صفحات میں ”کشف الغطاء“ ہی کا جواب مقصود ہے لہذا بقضاء بشری حد درجہ کوشش کے باوجود احقر کے کلام میں شائد کچھ تیزی محسوس ہو رہی ہو۔ لیکن یہ مؤلف موصوف کے انداز کا غیر اختیاری رد عمل ہے جس پر راقم قارئین سے معذرت خواہ ہے۔

شوکت علی قاسمی

۲۴ شوال، ۱۴۳۲ھ

صبح صادق کے متعلق چند اکابر کے اختلاف کی حقیقت اور جمہور کا عمل؟

.....صفحہ نمبر ۲۰۷ تا صفحہ نمبر ۲۲۹.....

(کشف الغطاء کے صفحات)

کشف الغطاء کے مولف نے پہلے رسالے ”صبح صادق و کاذب اور وقت
عشاء کی تحقیق“ میں بعض اکابر کے اختلاف کا تذکرہ کر کے کچھ بے بنیاد واقعہ اور حالات
کی یقین دہانی کرائی تھی کہ حضرت مفتی رشید احمد لودھیانویؒ نے بزرگوں کو باور کرا کر ۱۵
درجے کی تحقیق درست ظاہر کی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ بزرگوں کو اس کی وجہ سے تردد ہو گیا
اور جب انہوں نے بعد میں صحیح تحقیق کی تو پہلے شک و تردد والی حالت سے رجوع فرمایا
۔ اور پھر اس رجوع پر متعدد حوالے اور عبارات نقل کی ہیں۔

اس کے جواب میں ہماری گزارش یہ تھی کہ بزرگوں نے واقعی ۱۵ درجے کے
قول سے رجوع فرمایا ہے اس سے اگر مفتی رشید احمد صاحبؒ انکار نہیں فرماتے تو ہمیں
اس کے ثبوت میں کوئی شبہ نہیں مگر جس طرح رشید احمد صاحبؒ کا بیان ہے:

”قلب میں اکابر کی محبت و عظمت اور ان کے علمی و عملی بلند مقام کی وقعت
کے باوجود مسائل شرعیہ میں دلائل کے پیش نظر ان سے اختلاف رائے
واجب ہے، اس لئے ان دونوں بزرگوں کے رجوع سے متعلق چند امور
پیش کرنے پر مجبور ہوں:

(۱)....جب اس مسئلہ کو ابتداء میں نے ہی مجلس تحقیق میں پیش کیا تھا اور میری ہی تحریک پر مشاہدات اور مجلس تحقیق کے فیصلے ہوتے رہے تو اس کا مقتضی یہ تھا کہ اگر کوئی نیا انکشاف ہوا تھا تو اس سے مجھے بھی آگاہ کیا جاتا تھا اور اس پر اجتماعی غور کے لئے مجھے شریک کیا جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ میرے دریافت کرنے پر بھی سابق فیصلوں سے رجوع کی وجہ نہیں بتائی گئی۔

(۲)....حقیقت یہ ہے کہ ایک فتنین فطین نے میری ہی تحریر میں ایک انگریزی کتاب کے حوالہ سے زوڈیکل لائٹ کا بیان دیکھا تو یہ کتاب ان اکابر کو دکھا کر یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ زوڈیکل لائٹ ہی صبح کا ذب ہے حالانکہ میں بہت پہلے دلائل سے ثابت کر چکا تھا کہ زوڈیکل لائٹ کا صبح کا ذب سے کوئی تعلق نہیں، غالباً میری یہ تحریر ان اکابر کی نظر سے نہیں گزری ہوگی، اس کی مفصل بحث عنوان ”مشاہدہ میں غلط فہمی کے اسباب“ کے نمبر میں گزر چکی ہے۔

(۳)....دونوں حضرات کی تحریر بالکل مجمل بلکہ مبہم ہے، ان میں نہ تو میری کسی دلیل کے جواب کی طرف کوئی اشارہ ہے اور نہ ہی اپنی تائید میں کوئی دلیل ہے، دونوں بزرگوں کی تحریروں میں جس جدید انکشاف کا ذکر ہے وہ وہی زوڈیکل لائٹ ہے جس کی حقیقت میں بہت پہلے لکھ چکا تھا۔

(۴)....دلائل پر مبنی فیصلہ سے تو رجوع ممکن ہے مگر تین روز تک گیارہ علماء کے منفقہ عینی مشاہدات سے رجوع کا کیا معنی؟

(۵)....ان حضرات کے بلا دلیل اختلاف سے اس منفقہ مسئلہ کو مسائل

اختلافیہ کی فہرست میں لانے کا کوئی جواز نہیں، اس لئے کہ ۱۸ درجے زیر
 افق پر صبح صادق کا دنیا میں آج تک کوئی ایک فرد بھی قائل نہیں ہوا، ایسی متفق
 علیہ حقیقت سے انکار کو اختلاف نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ خلاف دلیل کہلاتا
 ہے۔..... (احسن الفتاویٰ۔ ج ۲، ص: ۱۹۰)

اسی طرح ہم نے کشف الغشاء میں اس حقیقت کی نشاندہی کی تھی کہ دراصل
 سوال رجوع کے اثبات و عدم اثبات میں نہیں ہے، مسئلہ یہ ہے کہ رجوع کی بنیادی
 وجوہات و دلائل کون سی ہیں جو اس وقت اکابر کے سامنے تھیں؟ آج اس مسئلے کو اٹھا کر
 کشف الغطاء کے مؤلف اگر ۱۸ درجے کی وکالت کرنے کا ذوق رکھتے ہیں تو انہیں آزاد
 تحقیق کرنے کی ضرورت ہے، علاوہ ازیں اگر بزرگوں کی بات کو درمیان لانا چاہتے
 ہیں، تو انہیں تیسرے شخص کا کردار ادا کر کے ”تصویر کا ایک رخ“ والے معاملے کے
 ارتکاب سے گریز کرنا چاہئے۔ بلکہ بزرگوں کے معاملے کو اسی طرح ذکر کرنا چاہئے جیسا
 کہ ہوا ہے، مؤلف نے بزرگوں کی تحقیقی سلسلے کی حقیقت کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی
 ہے۔ چنانچہ ہم نے کشف الغشاء میں ان حقائق سے پردہ اٹھایا جنہیں محترم مؤلف چھپا
 ناچاہتے تھے، پھر آخر میں محترم مؤلف کی خدمت میں چند سوالات اس غرض سے پیش
 کئے تاکہ حقائق سامنے آکر قارئین مطمئن ہو جائیں، مگر ہمارے محترم پھر وہی عبارات یا
 ایک آدھ بڑھا کر پیش کرنے لگے اور مزید یہ کہ جوابات دینے کی بجائے، پہلی محنت کو
 ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر ایسے امور کا ارتکاب کر گزرے، کہ کم از کم ہمارے علم
 میں ایسا شخص نہیں ہے جس نے ایسا کیا ہو، مؤلف کشف الغطاء لکھتے ہیں:

”رہا معترض صاحب کا اس کے بعد سوالات کے جوابات کا معاملہ تو ان کے

واضح جوابات اکابر کی تحریرات میں موجود ہیں، جن پر ہمیں بحمد اللہ اطمینان حاصل ہے“..... (کشف الغطاء، س: ۲۲۶)

اگر اکابر کی تحریرات میں ان سوالات کے جوابات موجود ہیں تو ان کی نشاندہی پر کتنا وقت صرف ہوتا تھا، جس سے کم از کم قارئین کی الجھن تو ختم ہو جاتی، مگر اسے نظر انداز کیا گیا، علاوہ ازیں حضرت مفتی رشید احمد کا بیان گزر چکا جس میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ بزرگوں کی تحریرات مجمل بلکہ مبہم تھی حتیٰ کہ ان کے اندر کسی قسم کی دلائل پر مبنی بات نہیں تھی، اور نہ اس میں حضرت کی کسی دلیل کا جواب مذکور تھا۔ چنانچہ یہاں مؤلف نے صرف یہ ذکر کیا کہ ہمیں ”اطمینان حاصل“ ہے۔ حالانکہ محترم کو پتہ ہونا چاہئے کہ ایسی مواقع میں اپنے اطمینان کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ دوسروں کو دلائل کے ساتھ مطمئن کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ محترم اپنے اطمینان پر مطمئن ہو گئے۔ قارئین کی خدمت میں ہماری گزارش ہے کہ یہ باب ”اکابر کے اختلاف کی حقیقت“ کو کشف الغطاء میں ضرور مطالعہ فرمائیں۔ یہاں چند شبہات کا ازالہ مقصود ہے۔

حضرت مولانا روحانی بازمی:

کشف الغطاء میں ہم نے کہا تھا کہ ۱۸ درجے والے نقشے پر لوگوں کا عمل بلا دلیل، بلکہ اکابر کی طرف منسوب حسن ظن پر مبنی ہے۔ درحقیقت اس نقشے پر اتنی تحقیق کسی مستند عالم کی موجود نہیں۔ یہ ماہرین فن کی تحقیقات ہیں جن پر بزرگوں کو مطمئن کر کے ۱۵ درجے والی تحقیق سے رجوع وجود میں آ گیا ہے۔

اس پر کشف الغطاء میں مؤلف نے کہا کہ زیادہ نہیں صرف مولانا روحانی بازمی

کی تحقیق بلکہ تصدیق بھی کافی ہے۔

اس کے بارے میں عرض یہ ہے ہم بزرگوں کی تنقیص کا معاذ اللہ سوچ بھی نہیں سکتے، مگر اصولی طور پر یہاں بتلانا یہ ہے کہ نئے درپیش مسائل میں بالخصوص جس میں فن نے مداخلت کر کے ٹھیک ٹھاک اپنا اثر کر دکھایا ہو۔ تو اس صورت میں صرف ماہرین فن پر اعتماد کرنے کی بجائے خود اپنی کوشش و مشاہدات کرنا چاہئے۔ ذیل میں مولانا روحانی بازی کے بارے میں محترم جناب سید شبیر احمد کا کاخیل صاحب مدظلہم کی تنقید کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

”کیا کسی جگہ کا وقت معلوم کرنے کے لئے ہم کسی اور جگہ کا نقشہ چند منٹوں کے جمع تفریق سے نکال سکتے ہیں جیسا کہ لاہور کا نقشہ فلکیات جدیدہ مرتبہ مولانا محمد موسیٰ مطبوعہ 1392 ہجری میں صفحہ نمبر 348 پر معروف و مستعمل طریقہ کے عنوان سے دیا ہوا ہے، جس میں پاکستان کے شہروں کا فرق اس سے منٹوں میں جمع تفریق کے ساتھ دیا گیا ہے۔

جواب: نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہے، یہ فی طور پر ایک بہت بڑی غلطی ہے اس غلطی کا علماء کرام کو پتا ہونا چاہئے جیسا کہ مساوات نمبر میں دکھایا گیا ہے کہ میل شمس ”م“ کی تبدیلی سے فرق پڑتا ہے اس طرح عرض بلد ”ع“ کی تبدیلی سے بھی فرق پڑتا ہے اور یہ فرق روزانہ یکساں نہیں ہوتا۔ بلکہ روزانہ میل شمس کی تبدیلی کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔ البتہ طول بلد کی وجہ سے جو فرق پڑتا ہے وہ مستقل ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کسی جگہ کے اوقات کا نقشہ موجود ہو تو اس سے شرقاً غرباً ان مقامات کیلئے جن کا مذکورہ مقام کے ساتھ

شمالاً جنوباً کوئی فرق نہ ہو تو ان کے لئے تو ایک مستقل فرق جمع تفریق کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر دونوں مقامات کا عرض بلد مختلف ہو تو پھر ان کی حساب میں صرف طول بلد کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا سخت غلطی ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو کراچی اور کوئٹہ کے اوقات میں صرف ایک منٹ کا فرق ہونا چاہئے کیونکہ فلکیات جدیدہ کے مذکورہ جدول میں کراچی کے لئے 27 منٹ جمع کرنے کا اور کوئٹہ کے لئے 28 منٹ جمع کرنے کا بتایا گیا ہے حالانکہ نیچے مختلف موسموں میں کراچی اور کوئٹہ کے اوقات دئے ہوئے ہیں اس میں دیکھا جائے کہ اصل فرق کتنا ہے؟

ذرا ان مختصر جداول پر نظر ڈالئے تو پتا چلے گا کہ صرف زوال کے وقت ایسا ہے جس میں فلکیات جدیدہ کا فارمولہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اگر باقی اوقات میں اس فارمولے کو استعمال کیا گیا تو نتیجہ کچھ سے کچھ ہو جائے گا،

کراچی کے اوقات			کوئٹہ کے اوقات			تاریخ
عشاء	زوال	صبح صادق	عشاء	زوال	صبح صادق	
08:56	12:36	04:17	09:17	12:37	03:57	21 جون
07:48	12:28	05:07	07:53	12:28	05:02	21 ستمبر
07:12	12:33	05:53	07:05	12:33	06:01	21 دسمبر
08:02	12:42	05:22	08:07	12:42	05:18	21 مارچ

اس میں دو باتیں اور بھی سامنے آئیں وہ یہ کہ:

1- کراچی اور کوئٹہ کے اوقات میں فرق گرمی اور سردی میں تو

زیادہ ہے لیکن بہار اور خزان میں بہت کم۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے جو پہلے
عرض کی گئی الخ

2- کوئٹہ اور کراچی کے اوقات میں فرق ہر وقت میں مختلف ہے۔
اس سے پتا چلا کہ اس طرح کو کوئی جدول جس میں کسی ایک جگہ کے اوقات
دوسری جگہ کے اوقات کے لئے سادہ جمع تفریق کے ساتھ استعمال ہو سکے
ممکن نہیں۔ اس لئے اس طریقے کو معروف اور مستعمل طریقہ کہنا بہت بڑی
غلطی ہے۔ (فہم الفلکیات، ص: 147 تا 148)

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ شرق و غرب میں قدیم و جدید ماہر فن شخصیت کیسی
غلطی فرما چکے ہیں؟ جسے سید صاحب نے نشاندہی فرمادی۔ ایسی غلطی کے عموم اور اس پر
تنبیہ حضرت مفتی رشید احمد لودھیانویؒ بھی فرما چکے ہیں:

”کئی جنزٹیوں میں مختلف مقامات کے فرق وقت کی فہرست نظر سے گزری
یہ فرق وقت صرف طول بلد کے حساب سے ہوتا ہے۔ حالانکہ نصف النہار
کے سوا باقی سب اوقات پر عرض بلد کا بھی اثر پڑتا ہے اور ایک عرض بلد کے
اوقات دوسرے عرض بلد سے مختلف ہوتے ہیں، لہذا آئندہ یا تو ایسی فہرست
شائع ہی نہ کی جائے، ورنہ کم از کم یہ تنبیہ ضرور کر دی جائے کہ یہ فرق وقت
صرف نصف النہار کا ہے، دوسرے اوقات کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں،
دوسرے اوقات کی تخریج کا قاعدہ الگ ہے
..... (احسن الفتاویٰ ج 2 ص: 361)

اگر ہم جدید مسائل میں بالخصوص جن مسائل میں فن داخل ہو چکا ہو، خود اپنی آنکھیں بند

کر کے چلنا شروع کر دیں، بلکہ اس پر اکتفاء نہ کرے، مزید اس شخص کو طعن و ملامت کا نشانہ بنا کر اس کے راستے میں تاویلات فاسدہ اور بد اخلاقیوں کے روڑھے اٹکائیں جو دین و عبادت کی خاطر اس دشوار راہ پر پیدل چل پڑا ہو، تو پتہ نہیں سانس کے کرشمے ہمیں کہاں سے کہاں لے جائیں گے۔ لہذا:

کشف الغطاء کے مؤلف کی خدمت میں گزارش:

گزارش یہ ہے کشف الغطاء کے مؤلف کو اگر فرصت ملے، تو فلکیات جدیدہ میں لاہور کے نقشہ اوقات کے بعد متصل ”معروف و مستعمل طریقہ“ (۱) کے عنوان سے تقریباً پورے ایک صفحے پر مشتمل یہ محض طول بلد کی تفاوت ملاحظہ فرمائیں، امید ہے کہ محترم اسے کاتب کی غلطی نہیں قرار دیں گے، لہذا اس کی بنیاد پر راولپنڈی کے اوقات نکال کر نقشہ مرتب فرمائیں پھر اس پر عمل خود بھی کرے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ پتہ چل جائے گا کہ مؤلف مذکور بزرگوں اور بالخصوص ماہر فن بزرگوں کے نقشہ قدم پر کتنا چلتے ہیں؟

حیرت کی انتہاء:

ہم نے کشف الغطاء میں اکابر بزرگوں کے ان مشاہدات کا تذکرہ کیا تھا جس میں ان حضرات نے بالکل صراحت کیساتھ پرانے نقشے میں صبح صادق کے وقت صبح

(۱) فلکیات جدیدہ، مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی، ادارہ تصنیف و ادب، جامعہ اشرفیہ لاہور، طبع ہشتم:

کاذب کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ اور اس مشاہدے میں حضرت مفتی محمد شفیع سمیت گیارہ علماء کرام نے شرکت فرمائی تھی۔

کشف الغطاء کے مؤلف کو اسے بلاچوں چراں تسلیم کرنا چاہئے تھا مگر انہوں نے جس انداز سے اس کی تعبیر بلکہ تحریف کی، اس فعل نے انہیں صبح صادق و کاذب کی ایک عجیب و غریب تشریح پر مجبور کیا۔ اور ہمارے محترم کو شائد پتہ ہی نہ چلا ہو کہ وہ کہاں سے کہاں گر پڑے۔ محترم مؤلف نے جوتا ویلات و تحریفات کا سہارا لیا شائد دنیا اسلام میں کسی مذہبی شخصیت نے ایسی حرکت کی ہو، یہاں ان سب کا بیان کرنا وقت ضائع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں، ہم قارئین سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ اس پوری بحث کو ”صبح صادق کے متعلق چند اکابر کے اختلاف کی حقیقت“، کشف الغطاء صفحہ نمبر ۱۹۴ پر ضرور ملاحظہ فرمائیں یہاں صرف ایک فنی مہارت کے بارے میں عرض کیا جا رہا ہے۔

چند صفحات پہلے ہم نے جس چیز پر تعجب و حیرانگی کا اظہار کیا تھا وہ یہ مقام ہے۔ جس میں اکابر کی گیارہ رکنی جماعت کے ایک مشاہدہ پر محترم مؤلف نے کلام کیا ہے قارئین اسے پڑھیں گے تو ان کی بھی حیرت کی انتہاء نہیں رہے گی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ خود مشاہدات کی صورت حال تحریر فرماتے ہیں:

”۱۲ جون، صبح کو تقریباً 3:30 بجے میدان میں سب حضرات پہنچ گئے اس وقت افق مشرق پر کسی قسم کی روشنی نہیں تھی ٹھیک 4 بجے افق پر محرومی طویل طولانی روشنی نمودار ہوئی جسکو سب نے دیکھ کر صبح کاذب قرار دیا اور اس کے 17 منٹ بعد یعنی 4:17 پر صبح صادق واضح طور پر مشاہدہ کی گئی اسی پر سب کا اتفاق رہا۔ طلوع آفتاب 5:35 منٹ پر ہوا۔

تاریخ	صبح کاذب	صبح صادق	طلوع آفتاب
۱۲ جون	4:00 بجے	5:32 بجے
۱۲ جون	4:00 بجے	4:17 بجے	5:32 بجے

(احسن الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۷۶)

آپ اس مشاہدے کو ملاحظہ فرمائیں کتنا صاف اور واضح مشاہدہ ہے، جس میں واضح طور پر گیارہ علمائے کرام کی جماعت نے نقشے میں دئے گئے وقت پر طولانی روشنی دیکھی۔ جسے سب نے صبح کاذب قرار دیا۔ اور اس کے بعد جا کر ۱۷ منٹ بعد صادق کا مشاہدہ کیا گیا۔ مگر کشف الغطاء کے محترم نے اسے بہر صورت رد کرنا ہے۔ لہذا وہ فرماتے ہیں:

”اگر اس دن بھی موسم ابر آلود ہو تو اس سے بھی لازم نہیں آتا کہ جس وقت مخروطی شکل کی طولانی روشنی دیکھی گئی وہ اس کی ابتداء تھی۔ بالخصوص جبکہ فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق صبح کاذب بعض اوقات صادق کے ساتھ متصل ہو جاتی ہے، اور صبح صادق کی روشنی جب اس پر غالب آجاتی ہے تب ہی وہ مضحل و منکتم ہوتی ہے“ (کشف الغطاء ص ۲۲۲)

مؤلف نے چونکہ صرف فقہاء کرام کی عبارات کمپیوٹر پر دیکھی ہیں، اور آسمان کی طرف کہیں دیکھنے کی توفیق نہ عشاء کے لئے ہوئی اور نہ صبح کے لئے تو اسی طرح عجیب و غریب انکشافات فرماتے رہتے ہیں۔ اس دن بادل بزرگوں کو تو نظر نہیں آیا اور آج محترم مؤلف فنی مہارت اور خاص کر ”بعض زمان و مکان“ کا فارمولہ بروئے کار لا کر اسے بادل قرار دے رہے ہیں۔ محترم نے اپنے کلام میں مندرجہ ذیل باتیں لکھی ہیں:

(۱) ”... اگر اس دن بھی موسم ابراؤد ہو تو اس سے بھی لازم نہیں آتا کہ جس وقت مخروطی شکل کی طولانی روشنی دیکھی گئی وہ اس کی ابتداء تھی“ _____ یہ لکھتے وقت محترم کو یہ عبارت نظر نہیں آرہی تھی کہ _____ ”اس وقت افق پر مشرق پر کسی قسم کی روشنی نہیں تھی“ _____ اور نہ محترم نے ”ٹھیک 4 بجے“ والے الفاظ کی طرف توجہ فرمائی۔ ان عبارات کو غور سے پڑھنے کی توفیق ہوتی تو محترم مؤلف روشنی کے اس ظہور کو ”ابتداء“ کے منافی نہ قرار دیتے۔

(۲) ”... صبح کاذب بعض اوقات صادق کے ساتھ متصل ہو جاتی ہے۔ اور صبح صادق کی روشنی جب اس پر غالب آجاتی ہے تب ہی وہ مضحل و منکتم ہوتی ہے“ _____ حالانکہ صبح کاذب کی روشنی ہوتے ہوئے کسی نے آج تک یہ بات نہیں لکھی ہے کہ کاذب کی روشنی کے ہوتے ہوئے نیچے صادق کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے۔ اس بات کی توقع اسی شخص سے کی جاسکتی ہے کہ خود تو مشاہدے کے قریب جاتا نہیں اور دوسروں کے صحیح مشاہدات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ کشف الغطاء کے محترم مؤلف کی طرف سے دوسروں کو جہالت و غفلت کے طعنوں اور آخرت کی فکر دلانے کو دیکھ کر یہ حاشیہ خیال میں نہیں آتا تھا کہ وہ خود اپنی نصیحت ہی بھول جائیں گے۔ _____ آگے ملاحظہ فرمائیں، مگر:

سرہتمام کر پڑھیں :

جس بات پر حد درجہ کی حیرت کے الفاظ قلم سے نکلے تھے وہ اس بات پر تھے کہ مولف مذکور تاویلات کرتے کرتے ایسے مقام پر فائز ہو گئے کہ شرعی احکام کی تشریحات کا اختیار انہیں عطاء کیا گیا۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں کہ صبح کاذب و صادق کا کیا حشر کر دیا۔ مذکورہ بالا تشریح کرنے کے بعد مشاہدہ مذکورہ سے انکار کی خاطر بیک وقت کاذب و صادق کے دونوں کے وجود و ظہور کے قائل ہو گئے۔ لکھتے ہیں:

”لہذا اول طلوع صبح صادق کے کچھ لمحات بعد تک کاذب کے نظر آنے کا

امکان ہوتا ہے جو تبیین فجر (نہ کہ تبیین خطِ فجر) پر ختم ہوتا ہے“.....

..... (کشف الغطاء، ص: ۲۲۲)

دیکھا! فرماتے ہیں کہ صبح کاذب تبیین خطِ فجر کے ساتھ نظر آسکتی ہے۔ یعنی

”حتیٰ یتبین لکم الخیط الابيض من الفجر“ واقع ہو جائے گا اور ابھی صبح کاذب غائب نہیں ہو چکی ہوگی۔

اور قارئین کو یہ بات نہیں بھولنا چاہئے کہ محترم مؤلف کے نزدیک ایک ”تبیین

خطِ ابیض“ ہے، جو ۱۸ درجے پر واقع ہوتا ہے، جبکہ دوسرا ”تبیین فجر“ ہے، جو کہ ان کے

نزدیک ۱۵ درجے پر واقع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ محترم کے نزدیک صبح

کاذب ۱۵ درجے پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں _____ ”جو تبیین فجر (نہ کہ تبیین خطِ

فجر) پر ختم ہوتا ہے“ _____ الحمد للہ اس سے تو قائلین 15 کا مدعا ثابت ہو گیا۔

یہ ۱۵ درجے تک صبح کاذب کے وجود کا نظریہ اس لئے اختیار کرنا پڑا کہ اکابر

نے چونکہ ۱۸ درجے پر کاذب کا مشاہدہ کیا اور پھر ۱۵ درجے کے مطابق صبح صادق کا

مشاہدہ فرمایا۔ تو مؤلف مذکور نے ایسا کیا کہ مشاہدہ کاذب کو بحال رکھا مگر بادل لگا کر اس

کا وجود پہلے سے قرار دے دیا۔ پھر بزرگوں نے ۱۵ پر جو مشاہدہ فرمایا اسے ”تبیین فجر“

اس لئے قرار دے دیا، تا کہ تبیین خطِ کو اس سے پہلے وہاں جگہ مل سکے جہاں کاذب کا

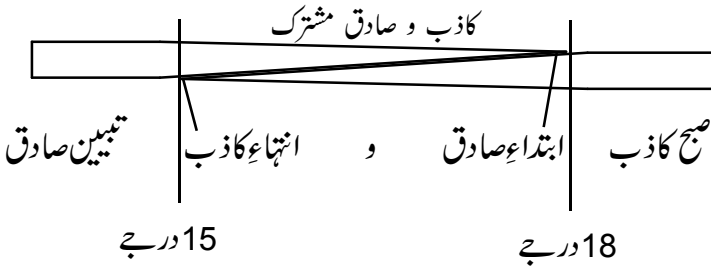
مشاہدہ کیا گیا تھا، بزرگوں نے 4 بجے (18 درجے پر) مشاہدہ کاذب کا کیا اور مولف

نے محنت کر کے تبیین خطِ ملا دیا۔ اب آگے کاذب کم ہوتی چلی جائے گی اور تبیین خطِ

بڑھتے بڑھتے تبیین فجر پر پہنچ جائے گی یہاں تک کہ 15 درجے کا مقام آجائے تو

کاذب ختم ہو جائے اور تبیین فجر واقع ہو جائے۔ گویا کہ تبیین خط سے تبیین فجر تک یہ 3 درجے صادق و کاذب نے مل کر گزارے۔

فجرین کا جو انجوبہ مرکب سامنے آ گیا اس کا خلاصہ یہ کہ: پہلے سے کاذب طلوع ہوئی تھی جسے بزرگوں میں سے ایک نے بھی نہیں دیکھی، پھر ۱۸ درجے پر جو مشاہدہ بزرگوں نے کیا وہ کاذب کے درمیانی لمحات تھے جو صادق کے تبیین خط فجر کے ساتھ ساتھ چلتی رہی (اگرچہ اس دوران اکابر کو صرف کاذب نظر آرہی تھی، نہ کہ خط فجر صادق) پھر ۱۵ درجے (بقول مؤلف تبیین فجر) پر کاذب ختم ہوگئی اور بزرگوں نے جو صادق کا مشاہدہ کیا تھا وہ تبیین فجر تھا۔ کاذب و صادق کا یہ نیا نظریہ مندرجہ ذیل گراف سے واضح ہے، جس میں 18 تا 15 کا دورانیہ فجرین کا مشترک ظاہر ہے:



عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی دعویٰ جب سامنے آتا ہے تو دلیل کا مطالبہ کیا جاتا ہے، مگر ہم یہاں کشف الغطاء کے مؤلف سے اس بدیہہ البطلان نظریے دلیل کا مطالبہ بھی علم و فن کی توہین سمجھتے ہیں۔ اس پر لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ہی پڑھا جاسکتا ہے۔ کوئی یہ نہ کہہ کہ یہ سہواً ہوا ہے کیونکہ اگلے صفحے پر یہ مضمون دہرایا گیا ہے:

”دوسرے کاذب کی روشنی کا بعض اوقات ابتدائے طلوع صبح صادق کے کچھ بعد تک نظر آنے کا امکان ہے، اور فنی اعتبار سے بھی بروجی روشنی میں یہ امکان موجود ہے، کما مر“..... (کشف الغطاء، ص: ۲۲۴)

اب قارئین اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر فرمائیں کہ کیا صبح صادق کے بارے میں یہ کہ ”کاذب کی روشنی کا بعض اوقات ابتدائے طلوع صبح صادق کے کچھ بعد تک نظر آنے“ کی بات کا کہیں ثبوت مل سکتا ہے؟ تو پھر مؤلف یہاں تک کیوں تحریفات فی الشرع کا ارتکاب کرتے چلے جا رہے ہیں؟ اس لئے کہ مشاہدہ میں واقعی ۱۸ پر کاذب اور ۱۵ پر صادق کی روشنیاں نظر آئی تھی؟

سوالات: محترم مؤلف مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات ارشاد فرمائیں:

(۱) جس موسم میں صبح صادق (یعنی حتیٰ یتبین لکم الخیط الابيض) ظاہر ہو جائے مگر ابھی بقول مؤلف صاحب صبح کاذب ”طلوع صبح صادق کے کچھ بعد تک نظر آئے“ تو روزہ اور نماز کے حوالے سے کس کا اعتبار ہوگا؟

(۲) جب کاذب و صادق دونوں نظر آ رہے ہوں، تو بیک وقت دونوں کے احکام کیسے نافذ ہونگے؟

(۳) اگر تبیین خط کا اعتبار کر کے روزہ بند اور نماز فجر جائز قرار دیا جائے۔ تو کیا صبح کاذب نظر آتی ہوئی نماز فجر کا وقت داخل سمجھا جائے گا؟ جبکہ بیاض مستطیل کے ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے سحری کی اجازت اور نماز کی ممانعت فرمائی ہے۔

(۴) اور اگر کاذب کا اعتبار کیا جائے تو کیا تبیین خط کے ہوتے ہوئے، ابھی رات

سمجھنا ارشاد باری تعالیٰ حتیٰ یبتین لکم الخیط الایض کے منافی نہیں ہوگا؟
 (۵) مؤلف فرماتے ہیں صبح کا ذب حقیقی لیل میں داخل ہے اور صادق نہار شرعی کا
 مبداء ہے تو سوال یہ ہے کہ یہاں ایک ہی وقت میں دن و رات کا اجتماع (یعنی رات بھی
 اور دن بھی) کس عقل و فن کا انکشاف ہے؟

(۶) کیا بیک وقت دن رات دونوں کا وجود اجتماع ضدین میں داخل نہیں؟

کیا اکابر نے ۱۵ درجے کا فیصلہ نہیں کیا تھا؟

کشف الغطاء کے مؤلف تحریر فرماتے ہیں؛

”چنانچہ حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی
 صاحب مدظلہم کی تحریر میں تردد پیدا ہونے اور بعد میں اس تردد کے رفع
 ہونے کا واضح طور پر ذکر ہے اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب
 رحمہ اللہ کی تحریر میں پوری تحقیق کا موقع نہ ملنے اور اس لئے احتیاطاً فتویٰ
 دیئے اور بعد میں پایہ تحقیق تک پہنچنے کے بعد قدیمی نقوشوں کے بارے میں
 بالکل صحیح ہونے کا حکم مذکور ہے“..... (کشف الغطاء، ص: ۲۲۶)

مذکورہ بالا اقتباس سے مؤلف مذکور کا منشاء بالکل واضح ہے وہ یہ بتانا چاہتے
 ہیں کہ اکابر کا ۱۵ درجے کے بعد ۱۸ درجے کا قول درحقیقت رجوع ہے ہی نہیں، کیونکہ
 رجوع تو ایک اختیار کردہ موقف کو چھوڑ کر دوسری رائے اختیار کرنے کا نام ہے اور یہاں
 بقول مؤلف بزرگوں نے ابھی آخری فیصلہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ تردد ہو گیا تھا جو کہ بعد میں
 دور ہو کر قدیم نقوشوں کی توثیق کی شکل میں سامنے آ گیا۔ اگر آگے تحقیق کا سلسلہ
 مشاہدات جاری تھا اور ابھی تک طے شدہ کام درمیانی کڑیاں تھی تو کیا ان کڑیوں

میں ”مجلس تحقیق“ کا فیصلہ بھی ایک کڑی کہلائے گا؟ ملاحظہ ہو:

منعقدہ دارالعلوم کراچی ۱۳ اذی قعدہ ۹۲ھ

”اس مجلس میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کے رسالہ صبح صادق کے دلائل پر غور کیا گیا اور متعلقہ کتب کی مراجعت کی گئی نیز مسئلہ کی تحقیق اور مشاہدات کے لئے ٹنڈو آدم کا جو سفر کیا گیا تھا اس کے نتائج زیر غور آئے، بحث و تجویز کے بعد مندرجہ ذیل باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں:

☆ مسئلہ کے زیر غور آنے کے بعد متفرق ایام میں جتنے مشاہدات کئے گئے ان میں سے کسی میں بھی مروجہ جنتریوں کے مطابق صبح صادق نہیں ہوئی بلکہ اس کے بعد ہوئی۔

☆ ان سب امور سے ثابت ہوتا ہے کہ مروجہ جنتریوں میں صبح صادق کے نام سے جو وقت درج لکھا گیا ہے وہ درحقیقت صبح کاذب کا ہے۔

☆ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے صبح صادق کے جو اوقات نکالے ہیں ان کا مقابلہ ٹنڈو آدم کے مشاہدات سے کیا گیا فرق صرف ایک منٹ کا تھا۔

☆ بہر کیف مذکورہ بالا تحقیق سے ہمیں بھی یہ ظن غالب ہوتا ہے کہ مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے حسابی طریقہ سے جو اوقات نکالے ہیں وہ درست ہیں۔

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۴/ ذی قعدہ سنہ ۹۲ ہجری

☆ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ

☆ حضرت مفتی رشید احمدؒ

☆ حضرت مولانا محمد عاشق الہیؒ

☆ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

کیا اس فیصلے کی وجہ سے بزرگوں کو تردد ہو گیا تھا یا یہ کہ تردد ختم ہو کر ۱۵ درجے پر اطمینان حاصل ہو گیا تھا؟

احقر

شوکت علی قاسمی

۲۴ شوال، ۱۴۳۲ھ

بمطابق

22 ستمبر، 2011ء

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆